وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرۃ ۲۷۵)

سود کے جدید مسائل سے متعلق تحقیقات رضویہ پر مشتمل کتاب بنام

جدید مسائل سود

فتاوی رضویہ کی روشنی میں

بقلم

مفتی کمال احمد علیمی نظامی

استاذ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی انڈیا

حسب فرمائش

حضرت مولانا حافظ افتخار احمد علیمی

سابق استاذ دارالعلوم اہل سنت مدرسۃ الاسلام بھدولیہ سنت کبیر نگر

ناشر

تبلیغ اسلام ریسرچ سینٹر ممبئی انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جدید مسائل سود پر مشتمل امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی
تحقیقات نادرہ پر مشتمل رسالہ بنام

جدید مسائل سود

بقلم

مفتی کمال احمد علیمی نظامی

استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، ضلع بستی

ناشر

مبلغ اسلام ریسرچ سنٹر، ممبئی، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب : جدید مسائل سود

بقلم : مفتی کمال احمد علیمی نظامی، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، ضلع بستی

حسب خواہش : حضرت مولانا حافظ افتخار احمد علیمی نظامی صاحب

سنہ طباعت : ۱۴۴۴ھ / ۲۰۲۳ء

صفحات :

ناشر : مبلغ اسلام ریسرچ سنٹر، ممبئی، انڈیا

❁❁❁

Book Name: Jadid Masael-e-Sood

Penned By: Kamal Ahmad Alimi Nizami

Published By: Muballigh-e-Islam Research

Centre,Mumbai, India

Publication Year: 1444 A.H / 2023 CE.

ملنے کے پتے:

① مبلغ اسلام ریسرچ سینٹر، جمدا شاہی، بستی، یوپی

② رضا اکیڈمی، ممبئی

③ کتب خانہ امجدیہ، دہلی

④ واسطی فاؤنڈیشن، دارالعلوم مدینۃ العربیہ، دوست پور، سلطان پور، یوپی

انتساب

امام اعظم

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی

غوث اعظم

سیدمحی الدین عبدالقادر جیلانی

مجدد اعظم

امام احمد رضا خان قادری بریلوی

مبلغ اسلام

حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

قائد اہل سنت

شاہ احمد نورانی علیہم الرحمہ

استاذ الاساتذہ، ادیب شہیر

حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی مدظلہ العالی

معین العلما

حضرت علامہ معین الحق علیمی علیہ الرحمہ

خراج عقیدت

ان دو مقدس ہستیوں کی بارگاہ میں....

جن کے صدقے مجھے جامۂ وجود ملا....

میری ہر سانس جن کی مرہون منت ہے....

میں جو بھی ہوں بس انھیں سے ہوں....

میرا جو بھی ہے سب انھیں کا ہے....

جن کی دعاے صبح گاہی اور نالۂ شبی سے میں، میں ہوں....

جن کی خوشی، رب کی خوشی....

جن کی ذات رب کی نعمت....

جن کی مسکراہٹ زندگی کا حاصل....

جن کا دست شفقت سائبان رحمت....

اور جن کی رضا سرمایۂ آخرت ہے....

....یعنی....

میرے والدین کریمین

جو اس دنیا میں میرے لیے سب سے زیادہ اہم اور اکرم ہیں۔ رب رحیم ان کا سایہ شفقت مجھ پر دراز فرمائے، میری عمر ان کو لگ جائے۔

کمال احمد علیمی نظامی

فہرست مضامین

❀❀❀

پیش لفظ

عصر حاضر میں سود کی نحوست کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے، تجارت، زراعت، صنعت، حرفت اور معاملات کے تقریباً اکثر شعبوں میں سود کی کارفرمائی نظر آتی ہے، بہت سارے جدید مسائل پیدا ہو رہے ہیں جن میں سود و قمار کے مخفی اثرات پائے جاتے ہیں، مگر عوام انہیں جائز سمجھ کر ان میں ملوث ہے، روزیاں حرام ہو رہی ہیں، لوگوں کو اس کا احساس تک نہیں۔

ہمارے اسلاف نے بہت پہلے ایسے اصول وضوابط اور مسائل و جزئیات بیان کر دیے ہیں جن سے قیامت تک پیدا شدہ مسائل کا حل نکالا جا سکتا ہے، خصوصاً چودھویں صدی کے مجدد اعظم امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں بہت سارے جدید مسائل حل بھی کیے ہیں اور ان کے حل کے اصول و قواعد بھی بیان کیے ہیں، سود و قمار پر مشتمل بہت سارے ایسے مسائل و معاملات ہیں جو آپ کے زمانے کی پیداوار تھے، ان میں سے بعض ایسے مسائل بھی ہیں جو ابھی تک رائج ہیں، ان مسائل سے بہت سارے اصول وضوابط مستنبط ہوتے ہیں جن سے عصر حاضر کے مسائل کے احکام بھی معلوم ہوتے ہیں۔

اپنی کتاب ''امام احمد رضا اور اسرائیلی روایات'' کی تالیف کے وقت فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کے دوران اس طرح کے کچھ مسائل نظر سے گزرے تھے، پھر محب گرامی حضرت مولانا شاہد القادری صاحب کلکتہ کے حکم پر ''امام احمد رضا اور سودی نظام کا رد بلیغ'' کے عنوان سے ایک مقالہ بھی لکھا تھا، سوچا اسی مقالے کو مزید پھیلا کر ایک مستقل رسالہ کی شکل دے دی جائے۔

الحمدللہ! یہ کتاب تیار ہوگئی، ۱۶ فروری ۲۰۲۳ء کو دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا اجرا ہوگا۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے محرک محب مکرم حضرت مولانا حافظ افتخار احمد علیمی صاحب سابق استاذ دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ ہیں، اس کی ترتیب وتزئین میں میرے عزیز از جان دوست، حضرت علامہ غلام سید علی علیمی، استاذ دارالعلوم مدینۃ العربیہ دوست پور نے کی ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں احباب کو سلامت رکھے۔

کمال احمد علیمی نظامی، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

تقدیم

کمال احمد علیمی نظامی، دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، ضلع بستی

زیر نظر کتاب چوں کہ جدید سودی مسائل سے متعلق امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تحقیقات عالیہ پر مشتمل چند منتخب مسائل کا مجموعہ ہے، اس لئے پہلے سود سے متعلق کچھ افادات بطور مقدمہ حاضر خدمت ہیں۔

ربا(سود) کی تعریف:

''ربا'' کے لغوی معنی زیادت اور اضافہ کے ہیں، قرآن مقدس میں ہے: اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ، اس میں "ربت" "ربا" سے بنا ہے جس کے معنی بڑھنے کے ہیں، اسی طرح عرب میں بولا جاتا ہے" ربا فلا ن رابیة" وہ ٹیلے پر چڑھ گیا، یوں ہی اہل عرب کہتے ہیں:"أربی فلان علی فلان فی القول او الفعل اذ از اد علیه"اسی سے قرآن کریم میں" ربوا" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی زیادتی کے ہیں، حدیث شریف میں ہے: "فلا واللہ ما اخذ نا من لقمته الا ربا من تحته" سودی کاروبار کرنے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے۔" اربی الر جل"۔

اصطلاح شرع میں ہر زیادتی کو''ربا''نہیں کہا جاتا ہے بلکہ مالی لین دین میں ایسا مالی اضافہ جس کا دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو ربا کہلاتا ہے، فتاوی عالم گیری میں ہے:

"فضل مال لا یقا بله عوض فی معاوضته مال بمال"(۱)

ہدایہ آخرین میں ہے:

"موالفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضة الخالی عن عوض شرط فیه"۔

قاضی بیضاوی نے مذہب شافعی کی ترجمانی کرتے ہوئے ربا کی یہ تعریف کی ہے:

۱۔ فتاوی ہندیہ: ۳/ ۱۱۷ الفصل السادس فی تفسیر الربو واحکامہ

"موزیادہ فی الا جل بان یبا ع مطعوم بمطعوم او نقد بنقد الی اجل اوفی العو ض بان یباع احد هما باکثر منه من جنسه"۔(۱)

امام اہل سنت ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحاق قرار پایا ہو سود ہے، مثلاً سو روپے قرض دیے اور یہ ٹھہرالیا کہ پیسہ اوپر سو لے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے، لہٰذا سود حرام ہے۔(۲)

مذکورہ بالا تعریفات سے واضح ہو گیا کہ سود کے دو بنیادی عناصر ہیں، ایک تو عوض سے خالی ہو نا، دوسرا شرط لگانا۔

ربا کی قسمیں:

فقہانے ربا کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: ۱۔ ربا القرض۔ ۲۔ ربا الفضل، ربا القرض کو ربا النسیہ اور ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے، اول الذکر کی تعریف کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

"هو القر ض المشر و ط فيه الا جل وزيادة مال على المستقر ض"(۳)

ربا الفضل کا مطلب یہ ہے کہ ہم جنس اشیا میں تفاضل یا ادھاری کے ساتھ لین دین کیا جائے، جیسے سونے کی بیع سونے سے زیادتی کے ساتھ یا ادھاری کے ساتھ کی جائے، اول الذکر کی حرمت قرآن سے ثابت ہے، اسی لیے اسے ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے، ثانی الذکر کی حرمت حدیث متواتر سے ثابت ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱)عن ابی سعید الخدری قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل، یدا بید، فمن زاد او استزاد فقد اربی والآخذ والمعطی فیه سواء ۔(۴)

۱۔ بیضاوی، بقرہ، ص ۱۷۲

۲۔ فتاوی رضویہ جدید ۱۷/ ۳۲۶

۳۔ احکام القرآن للجصاص، ج ۱/ ۴۶۹

۴۔ مسلم شریف، باب الربو، ج ۲، ص ۲۵، قدیمی کتب خانہ کراچی

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ سرکار ﷺ نے فرمایا: سونے کی خرید وفرخت سونے سے، چاندی کی چاندی سے، گیہوں کی گیہوں سے، جو کی جو سے، کھجور کی کھجور سے، نمک کی نمک سے، برابر برابر دست بدست ہونی چاہئے جس نے زیادہ دیا یالیا دونوں گنہ میں برابر ہیں۔

(۲) عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه قال قل رسول الله صلی الله علیه وسلم الدهب بالدهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل ،سواء بسواء، یدا بید، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبیعوا کیف شئتم إذا کان یدا بید۔(۱)

عبادہ بن صامت نے سرکار ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، نمک کا نمک سے، اس طرح ہونا چاہئے کہ ایک دوسرے کے مثل، برابر، دست بدست ہوں، ہاں اگر مختلف قسم کی چیزوں کا مبادلہ ہو تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطے کہ لین دین دست بدست ہو۔

(۳) عن ابی سعید الخدری قال قل رسول الله ﷺ لاتبیعوالدهب بالذهب لا مثلاً بمثل ولا تشموابعضها علی بعض ولا تبعوا منها غائباً بناجزٍ۔(۲)

ابوسعید خدری نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو، مگر برابر برابر، کوئی کسی کو زیادہ نہ دے ور چاندی کو چاندی کے بدلے نہ بیچو، مگر یہ کہ ایک دوسرے کی مثل ہو اور کوئی کسی کو زیادہ نہ دے اور ان میں سے غائب کو حاضر کے بدلے نہ بیچو۔

(۴) عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال التمر بالتمر ،الحنطة بالحنطة، ،والشعیر بالشعیر، ،والملح بالملح مثلاً بمثل ،یدأبیدا,فمن زاداو استزاد فقد اربی الا ما اختلفت الوانه۔ (۳)

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کی فروخت کھجور

۱۔ حوالہ سابق

۲۔ حوالہ سابق، ص ۲۴

۳۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات، رقم الحدیث ۱۵۸۸) (سنن نسائی، کتاب البیوع، رقم ۴۵۵۹

سے کرو، گیہوں کی گیہوں سے، جو کی جو سے، نمک کی نمک سے، برابر برابر دست بدست ہونی چاہیے، جس نے زیادہ دیا یا سودی کام کیا، سوائے اس صورت کے کہ اس کے رنگ بدل جائیں۔

ربا کی حرمت منصوص واجماعی ہے:

ربا کی حرمت قطعی ہے، کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"(۱)

مزید ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ(۲)

حدیث شریف میں کل ربا اور سودی لین دین پر بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" اربع حق علی الله ان لا يد خلهم الجنة ولا يد يقهم نعيمها، مدمن الخمر،واكل الر با، واكل مال اليتيم بغير حق، والعا ق لو الد يه"(۳)

مزید ارشاد ہے:

"لعن رسول الله صلی علیه وسلم اكل الر با و مو كله وشا هد ه و كاتبه"(۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اربع حق علی الله ان لايدخلهم الجنة ولا يذيقهم نعيمها مدمن الخمر واكل الربا واكل مال اليتيم بغير حق والعاق لوالديه۔

۱۔ آل عمران ۱۳۰

۲۔ بقرہ۔ ۲۷۵

۳۔ مستدرک حاکم حدیث نمبر ۲۲۶۰

۴۔ مشکوۃ المصابیح، ج، ص ۲۴۷

اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ چار شخص کو جنت میں داخل نہ کرے اور جنت کی نعمت چکھنے تک نہیں، ہمیشہ شراب پینے والا، سود کھانے والا، ناحق یتیم کا مال کھانے والا اور والدین کا نافرمان۔

علاوہ ازیں کئی روایتوں میں صراحت ہے کہ سود کے گناہ کے ستر درجات ہیں اور ان میں کم تر درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔(۱)

سود کے دنیوی واخروی نقصانات:

رسول کریم علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق سودخور پر دنیا ہی میں قحط کا عذاب آجاتا ہے(۲) یوں ہی سود کا انجام قلت مال ہی ہوتا ہے، اگرچہ وقتی طور سے سودی کاروبار سے مال میں کثرت ہوجائے، چناں چہ ارشاد ہے:

ماأحد اكثر من الربا الا كان عاقبة امره الى قلة۔(۳)

یعنی سود کی وجہ سے اگر چہ کسی کا مال بڑھ جائے مگر اس کا انجام قلت مال ہی ہے۔

شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ ایک حدیث کی روشنی میں سود کی ہلاکت خیزی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن النبی صلی الله علیه وسلم اجتنبو السبع الموبقات، قیل یا رسول الله! ماهی ؟قال الشرک بالله والسحرو قتل النفس التی حرم الله الا بالحق و اکل الربو و اکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات(۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات ہلاکت خیز چیزوں سے بچو، کہا گیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی ذات کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، محاذ آرائی کے دن دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، مومن، پاک دامن، بھولی بھالی عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔

۱۔ مجمع الزوائد ۴/ ۱۱۷

۲۔ مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۵

۳۔ ابن ماجہ ج ۲ ص ۶۵

۴

گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک معمولی، دوسرے غیر معمولی، بلفظ دیگر ایک صغیرہ، دوسرا کبیرہ، گناہ کبائر کی فہرست میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دوسری چیزوں کو شمار کرایا وہیں سودخوری کو بھی شمار کیا نیز یہ بتایا کہ یہ سب چیزیں ہلاکت برپا کرنے والی ہیں، خواہ دنیا میں ان سے تباہی و بربادی آئے یا آخرت میں، مسلمانوں کو ان سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے، ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب ہلاکت و ادبار کو دعوت دینا ہے۔

ان ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوا کہ سودی کاروبار یا سودخوری بدترین گناہوں میں سے ہے، ہر ایک مسلمان پر لازم ہے کہ اس نجاست کی آلودگی سے اپنے دامن کو داغ دار نہ کرے، آپ نے مختلف انداز بلکہ حکیمانہ اسلوب بیان سے اس کی حرمت کا صحیح احساس مسلمانوں کو دلایا (۱)

حرمت سود کا راز:

سود کی قسم اول کی حرمت کی علت نمایاں کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"وقد ذكر ما ان فيه قلبالمو ضوع المعاملات.وان الناس كا نو ا منهمكين فيه في الجا هلية اشد انهماك وكا ن حدث لا جله محا ربات مستطير ة و كان قليله يد عو الى كثير ه فوجب ان يسد بابه با لكلية ولذ لک نزل في القر ان في شانه مانزل"(۲)

مطلب یہ ہے کہ سود کی حرمت کی وجہ دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ اس کی وجہ سے باہمی نزاعات پیدا ہوتے ہیں، دوسری یہ کہ سود کا آغاز کم مقدار سے ہوتا ہے، مگر اس کی انتہا کثیر پر ہوتی ہے، سود در سود کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، اسی لیے شریعت اسلامیہ نے بالکلیہ اس کا دروازہ بند کر دیا۔

ربوالفضل یعنی سود کی قسم ثانی کی حرمت میں راز کیا ہے؟ اس کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے شیخ القرآن، حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ان تمام تفصیلات سے واضح ہوا کہ ربائے حقیقی کا دروازہ مکمل طور سے بند نہیں ہو سکتا جب

۱۔ مسائل سود ص ۹ ۔۴ مطبع المجمع نورانی جمداشاہی

۲۔ حجۃ اللہ البالغۃ، جزء الثانی، ص ۰۶

تک کہ ربا الفضل یعنی خرید وفروخت کے معاملات میں جو ربا ہوتا ہے اس پر پابندی عائد نہ کی جائے کیوں کہ اس قسم کے سود سے ربائے حقیقی کی ذہنیت کو بڑھاوا مل سکتا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ربائے حقیقی کی طرف جانے کے یہ سب راستے تھے، اس لیے شارع حکیم نے ان سب کو سختی کے ساتھ ممنوع قرار دیا، کیوں کہ شریعت اسلامی کا عام دستور یہ ہے کہ جب کسی چیز کو حرام کیا جاتا ہے تو اس کی طرف لے جانے والے تمام راستوں کو بھی ایک ایک کر کے بند کر دیا جاتا ہے، لیکن انسانی حاجت وضرورت کو پورا کرنے کی سبیلیں بھی نکالی جاتی ہیں، اور وہ سبیل اس مسئلہ میں یہی تھی کہ اگر کوئی عمدہ شئی ہو اور اسی کی جنس سے جو کم درجہ کی ہو مبادلہ کیا جائے تو اس گھٹیا چیز کو قیمتوں سے بدل لیا جائے، تھوڑی سی زحمت ضرور اٹھانی پڑے گی لیکن شیطان کے داخل ہونے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا''۔(۱)

امام اہل سنت حرمت سود کی علت کے بارے میں سوال کرنے پر ارشاد فرماتے ہیں:

''سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن واحادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے؟ اس کا قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے: ایک عام اور ایک خاص، عام تو یہ ہے کہ:

'' لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون، ان الحکم الا للہ ،لہ الحکم و الیہ ترجعون، وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم و من یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا''۔

ترجمہ: اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو، اسی کی حکومت ہے، اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انہیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ ورسول کے حکم پر نہ چلے بے شک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا''(۲)

۱۔مسائل سود، ص ۲۷، مجمع النورانی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی

۲۔فتاوی رضویہ، ۱۷/ ۳۵۹، ۳۵۸، مرکز اہل سنت برکات رضا رضا پور بندر گجرات

اور خاص یہ کہ کافروں نے اعتراض کیا تھا: انما البیع مثل الربا۔ بے شک بیع سود کی مثل ہے، تم جو خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے، بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے، اس کا جواب ارشاد فرمایا: "واحل اللہ البیع وحرم الربا"۔ ترجمہ: اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ تم ہوتے ہو کون، بندے ہو، سر بندگی خم کرو۔ حکم سب کو دیے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لیے سب نہیں ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کے کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بے جا ہے، یہ کیوں ہے، یوں نہ چاہیے، یوں ہونا چاہیے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چوں چرا کی مجال نہیں ہوتی، تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں، ورکس بیے کا دم بھرنا؟ کیسی سخت نادانی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ"۔(۱)

صحابہ کرام کا حزم واحتیاط:

چوں کہ سود سے متعلق قرآنی احکامات کا نزول سب سے اخیر میں ہوا تھا، اور نبی کریم علیہ السلام کی طرف سے اس کی بہت زیادہ توضیح وتشریح نہ ہو سکی اسی لیے صحابہ کرام سود سے خود بھی بچتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے، چناں چہ حضرت عمر کا ارشاد ہے:

ان احر ماانزلت اية الربا وان رسول الله صى الله عليه وسلم قبص ولم يفسرها لنا فدعوا الربوا والريبة۔

آخر آخر میں نازل ہونے والی آیت سود والی آیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر نہیں فرما سکے، لہذا سود اور شبہہ سود سے بچو۔(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ حزم واحتیاط ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

اذا اقرض احدكم اخاه قرضا فاهدى اليه طبقا فلا يقبله او حمله على دابته فلا يركبها الا ان يكون جرى بينه وبينه مثل ذالك۔(۳)

۱۔ فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۵۸-۳۵۹ برکات رضا پوربندر گجرات

۲۔ سنن ابن ماجہ: ج ۲ ص ۶۵

۳۔ سنن ابن ماجہ، باب القرض، ج ۲ ص ۶۱

جب تم سے کوئی اپنے بھائی کو قرض دے اور وہ بھائی اس کو کوئی حشت (کھانے کا سامان) بھیجے یا اپنی سواری پر سوار کرے تو اسے قبول نہ کرے اور سوار نہ ہو، الا یہ کہ پہلے بھی ان دونوں میں اس طرح کا لین دین رہا ہو۔

سود کی علت:

سود کی علت کو لے کر ائمہ کرام میں اختلاف ہے، چناں چہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک دو چیزوں میں کمی بیشی اس وقت سود ہوگی جب دونوں کی قدر و جنس ایک ہو، قدر سے مراد کیل و وزن ہے، جب کہ جنس سے مراد یہ ہے کہ دو چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں، مثلاً گیہوں کی بیع گیہوں سے، جو کی بیع جو سے، آپ عددی چیزوں میں کمی زیادتی کو سود نہیں قرار دیتے، مثلاً سیب وزن سے بکتا ہے تو سیب کی بیع سیب سے ہو اور اس میں کمی زیادتی ہو تو یہ سود ہے جب کہ انڈا گن کر بیچا جاتا ہے، اس لیے ایک انڈے کی بیع دو انڈوں سے جائز اور سود سے خالی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک علت سود سونے اور چاندی میں زریعنی ثمنیت ہے اور باقی چار چیزوں میں ''مطعوم'' ہونا ہے۔ لہٰذا جو چیزیں ان دونوں علتوں سے خالی ہوں، مثلاً تانبہ پیتل وغیرہ ان کی بیع میں کمی زیادتی سود نہیں۔

مالکیہ کا مسلک: مالکیہ کے نزدیک روزی یا روزی بننے کی صلاحیت ہی حرمت ربو کی علت ہے۔

عبدالملک بن ماجشون کا مسلک: یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے فائدہ حاصل کیا جائے اس میں زیادتی ربو ہے۔()

ان مسالک پر تجزیاتی تبصرہ کرتے ہوئے شیخ القرآن فرماتے ہیں:

''یہ مسالک و مذاہب اختلاف علت کی وجہ سے وجود میں آئے، جن کے سبب بہت سے جزوی مسائل میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف رونما ہوا، جس کے نزدیک انتفاع والی چیز میں سود ہوتا ہے اس کے یہاں ربو کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا، مثلاً ایک آم دے کر دو آم لینا جائز نہ ہوگا کیوں کہ اس سے بھی فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک اس میں ربو نہ ہوگا، اس لیے

تفسیر کبیر ج ۷، ص ۸۷

کہ یہ کیلی یا وزنی چیز نہیں ہے، یوں ہی شافعیہ کے نزدیک لوہا، تانبہ، پیتل، جستہ جملہ معدنیات نیز تمام ایسی چیزیں جن میں غذائیت نہیں ہوتی اور ساتھ ہی وہ ثمن نہیں بنتے ان میں سود کا تحقق نہ ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک ان میں سود کا تحقق ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف علت کی وجہ سے جزئیات میں اختلاف ہوا اور اسی اختلاف کو دیکھ کر دور حاضر کے کچھ لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ سود کی حرمت ایسی قطعی اور لازمی نہیں ہے کہ تجارتی اشیا میں بھی سود ہوا اور اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہا گیا کہ جب اب تک یہی فیصلہ نہیں ہو پایا کہ کن کن چیزوں میں سود متحقق ہوتا ہے اور کن میں نہیں ہوتا، سود کے معنی ومفہوم میں جب اس قدر ابہام واجمال پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے زراعتی، صنعتی، تجارتی کاموں کے لیے جو سود لیا جاتا ہے وہ کیوں کرنا جائز ہوگا اور جدید بینک کاری جس کی بنیاد ہی رائد مال کے لینے پر ہے وہ کیسے حرام ہوگی، کیوں کہ موجودہ بینک کا نظام اگر بالکلیہ ختم ہو جائے تو تمام صنعتی ادارے، تجارتی منڈیاں تباہ وبرباد ہو جائیں گی اور زراعت وصنعت کا کام بالکل ٹھپ پڑ جائے گا، اس لئے جب سود مشتبہ چیز ہوئی جس کی حقیقت کے تعین سے علمائے اسلام عاجز رہ گئے تو اس کے سبب تمام کاروباری نظام کو کیوں کر تہس نہس کیا جاسکتا ہے"۔(۱)

سود میں نفع ہے یا نقصان؟:

عصر حاضر میں زراعتی، تجارتی اور صنعتی میدان میں ہر جگہ سود کی کارفرمائی نظر آتی ہے، بہت سارے لوگ سودی کاروبار کر کے بے پناہ دولت کمارہے ہیں، بڑی بڑی کمپنیاں اربوں کھربوں کما رہی ہیں، پوری دنیا کا تجارتی نظام کہیں نہ کہیں سود کی نحوست میں ملوث نظر آتا ہے، ایسے میں اگر سود کو حرام اور مضر قرار دیا جائے تو دو خرابیاں لازم آئیں گی: ایک تو یہ کہ دنیا کے اکثر صنعت کار اور تجارت پیشہ لوگ ارتکاب حرام میں ملوث ہوں گے، دوسری یہ کہ اسلام کا یہ کہنا کہ سود میں نقصان ہی نقصان ہے غلط ہوگا۔

اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے شیخ القرآن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں جس میں نفع ونقصان دونوں نہ پائے جاتے ہوں، اگر سنکھیا زہر

۱۔ مسائل سود، باب سوم، ص ۹۰

قاتل ہے تو اس کے بھی کچھ فوائد ایسے ہیں جن کے اچھے اثرات دواؤں میں ظاہر ہوتے ہیں، اگر شراب کی تباہ کاریوں سے بہت سے کنبے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے جبھی الکحل کی شکل میں دواؤں میں اسے استعمال کیا جاتا ہے، کتنی گندی اور فاسد چیزیں ہیں جن کے خیال ہی سے طبیعت میں انقباض پیدا ہوتا ہے، اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں ضرور کچھ نہ کچھ ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جن سے یک گونہ فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، مگر ان فوائد و منافع سے یہ تمام گندی اور مہلک چیزیں ہر حالت میں مباح نہیں کی جاسکتیں، کیوں کہ اشیا کی حلت و حرمت کا معیار یا دارومدار ان کے غالب فوائد یا نقصانات پر ہے، اگر کسی چیز کے اندر بے انتہا مضرتیں پائی جا رہی ہوں تو یہ نہیں کہا جا سکتا اس میں کچھ نفع ہے، اس لیے انسانوں کے لیے اسے جائز ہونا چاہئے، ٹھیک اسی طرح سود کے کچھ معمولی فوائد ہو سکتے ہیں اور ان فائدوں کی جھلکیاں بھی دکھائی پڑ سکتی ہیں، لیکن اس کی مضرتیں، اس کی تباہ کاریاں، اس کی نجاستیں، اس کی غلاظتیں اور اس کی قباحتیں اتنی زیادہ ہیں کہ عقل و خرد کا فیصلہ یہی ہونا چاہئے کہ کسی مجبوری کے بغیر کوئی ذی ہوش انسان اس کے قریب نہ پھٹکے، اگر ایک طرف تم کو یہ نظر آتا ہے کہ کچھ بے روزگاروں کو روزگار مل رہا ہے تو دوسری طرف تم کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا چاہئے کہ اس سے کتنے کنبوں کی تباہی و بربادی کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں، اگر تم ایک طرف یہ دیکھتے ہو کہ اسی سود کی بدولت منڈیوں کی رونق برقرار ہے تو دوسری جانب تمہیں اس سے بھی آنکھیں بند نہیں رکھنا چاہئے کہ غریبوں، محتاجوں، کی ساری پونجی یا ان کی گاڑھی کمائی بلکہ ان کے خون کا آخری قطرہ سرمایہ پرستوں کی کوٹھیوں کی لالہ زاری میں اضافہ کر رہا ہے، حق یہ ہے کہ اس کے مفاسد کے مقابلے میں اس کے فوائد بہت کم ہیں، لہٰذا اس کی ظاہری دیدہ زیبیوں اور دل فریبیوں سے اہل بصیرت کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو کچھ معاشی ترقیاں اور فن کے جلوے نظر آ رہے ہیں وہ محض سودی کاروبار کی برکت نہیں ہے، زمانے کی رفتار انسان کی ذہنی نشوونما کا باعث ہوئی، اس نے اپنے علمی انکشافات سے عہد حاضر کے انسان نے سائنس اور فلسفے میں پیش رفت کر کے ایسے آلات ایجاد کیے جن سے

اس کی معاشی ترقی کی رفتار تیز تر ہو گئی، پس تمام خوش حالیوں اور ترقیوں کا سہرا سود کے سر ڈالنا بالکل غلط ہے۔(۱)

زیر نظر کتاب میں فتاوی رضویہ کی روشنی میں کچھ جدید مسائل سود پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، میں نے بہت زیادہ تبصرہ وتحقیق کے بجائے امام اہل سنت کی تحقیقات بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، کہ جو تاثیر بڑوں کی زبان وقلم میں ہے وہ مجھ میں کہاں، اللہ تعالیٰ میری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے اور ہمیں امام اہل سنت کے علمی فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔

کمال احمد علیمی نظامی

۱۔ مسائل سود، باب سوم، ص ۶۳

باسمہ تعالیٰ

چودھویں صدی ہجری جس عظیم شخصیت کے نام ہے وہ مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے، ہمہ جہت صلاحیت، علمی وفکری صلاحیت، مجددانہ عظمت اور عالمانہ شان وشوکت جیسی خوبیاں بارگاہ خداوندی سے آپ کو بطور خاص عطا ہوئی تھیں، آپ کے تجدیدی کارنامے، آپ کی فقہی خدمات اور آپ کے دعوتی مجاہدات تاریخ علم وادب میں ہمیشہ درخشندہ رہیں گے۔

ایک مجدد کی تجدیدی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے، وقت کے تمام فتنوں کی سرکوبی، سماج کی تمام برائیوں کا انسداد اور دین حق کے خلاف اٹھنے والی ہر غلط تحریک کی تردید یہ سب ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں، ساتھ ہی لوگوں کو امتثال اوامر اور اجتناب عن النواہی کی طرف راغب کرنا، لوگوں کے اندر محبت رسول کی روح پھونکنی اور اہل حق کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے، گویا وہ اپنے وقت میں اسلام اور مسلمانوں کے عقائد ونظریات کا سب سے بڑا محافظ ہوتا ہے، ان کے اعمال وافعال کا مصلح اعظم ہوتا ہے۔ اور ان کی دینی ضروریات کا مرجع وملجا ہوتا ہے، اس تناظر میں جب ہم مجدد اعظم کی تجدیدی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ہر لحاظ سے منفرد وممتاز نظر آتے ہیں، آپ نے اپنے دور کے ہر فتنے کا جواب دینے کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرمائی ہے، ان کو ہر طرح کی بدعات وخرافات سے بچانے کی کامیاب سعی فرمائی ہے، ان کے اندر محبت الٰہی اور عشق رسالت کا جذبہ صادق پیدا کیا ہے، اور ان کو اس دور میں رائج تمام محرمات ومنہیات سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے۔

آپ کے دور میں جو برائیاں عام تھیں ان میں ''سودخوری'' بھی تھی، ہندوستانی سماج میں رائج سودی کاروبار کی جڑیں بہت گہری تھیں، ساہوکار اور بنئے سودی قرض کے ذریعہ غریب کسانوں کا خون چوستے تھے، اسی دور میں انگریزوں کے ذریعہ قائم کردہ سودی بینک اور ڈاک خانے سودی کاروبار میں ایک نئے نظام کی بنیاد رکھ رہے تھے، سات سمندر پار سے آنے والے شاطر تاجروں اور ساہوکاروں کی عیارانہ تجارت فروغ پارہی تھی، اس تجارت کا دارومدار کافی حد تک

سودی کاروبار پر ہوتا تھا۔ بغیر سودی لین دین کے میدان تجارت میں بظاہر کسی ترقی کی امیدیں مو ہوم ہورہی تھیں، ایسے میں دیگر ہندوستانیوں کی طرح مسلمانوں کے اندر بھی سود کی طرف رغبت کا پیدا ہونا فطری امر تھا، وہ سود کے عاجلانہ منافع دیکھ کر للچاتے تھے۔ اور سودی نظام کی چمک دمک سے مرعوب ہوتے تھے۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ منظم طریقے سے اس حرام کارد کیا جائے، صحیح اسلامی تصویر پیش کی جائے، لوگوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ شکوک وشبہات کا جواب دیا جائے۔ رائج سودی کاروبار پر قدغن لگایا جائے، خدا کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں امام اہل سنت کی قبر اطہر پر، آپ نے اس امر کی طرف بھر پور توجہ فرمائی۔ اور اپنے فتوی کے ذریعہ سودی کاروبار کارد بلیغ فرمایا، حرمت سود کی شدت وقباحت کا اظہار فرمایا، اس کی حرمت کے اسرار ورموز سمجھائے، اور اپنی تجدیدی خدمات کے ذریعے مسلمانوں کے اندر سے سودی کاروبار کی رغبت کوختم کرنے میں عظیم کردار ادا کیا۔

امام اہل سنت اور سودی کاروبار کی تردید:

اس موضوع سے متعلق آپ کے فتوی شریف میں متعدد شواہد موجود ہیں۔ فتاوی رضویہ قدیم کی ساتویں جلد اور جدید کی سترہویں جلد میں "باب الربو" کے تحت متعدد فتاوی اور ارشادات ہیں جن سے سودی کاروبار کارد بلیغ ہوتا ہے۔ اور سودی نظام پر کاری ضرب پڑتی ہے، امام اہل سنت نے سود کی قدیم صورتوں کے ساتھ جدید رائج صورتوں کی بھی زبردست تردید فرمائی ہے، بہت ساری الجھی ہوئی صورتوں کا حل پیش فرمایا ہے۔ سود سے بچنے کے طریقے بتائے ہیں، اس کے نقائص وقبائح بیان فرمائے ہیں۔ امت مسلمہ کو اس کے نقصانات سے آگاہ فرمائے ہیں۔ ذیل میں کچھ خاص صورتوں سے متعلق امام اہل سنت کے چند فتاوی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جن سے سودی کاروبار کی تردید کے ساتھ فقیہیت میں آپ کی شان تمیز ظاہر ہوتی ہے۔

حرمت سود پر سترہ احادیث:

امام اہل سنت کے پاس ۲۱ر رجب المرجب ۱۳۱۶ھ میں ایک استفتا آیا، جس کا متن یہ ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سود کھانا اپنی

ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے، اور سود کا ایک روپیہ لینا اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے، یہ امر صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔"

اس کے جواب میں امام اہل سنت رشاد فرماتے ہیں:

الجواب: بے شک صحیح ہے، اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

اس کے بعد آپ نے معجم اوسط للطبرانی، درمنثور، الترغیب والترہیب، مجمع الزوائد، مسند امام احمد، کنز العمال، سنن ابن ماجہ، مصنف عبد الرزاق اور المستدرک للحاکم کے حوالے سے سترہ احادیث پیش فرمائی ہیں، جن سے سود کی قباحت ظاہر ہوتی ہے۔

بلاضرورت شرعیہ سودی کاروبار حرام ہے:

شرعی اعتبار سے جو محتاج ہو اس کے لیے "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت ضرورت بھر سودی لین دین جائز ہے، لیکن بلاضرورت سودی کاروبار کرنا ناجائز و حرام ہے۔

۲۷ رجب المرجب ۱۳۰۶ھ میں آپ سے سوال ہوا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روزمرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے، اب چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے بس یہ امر مباح ہیں یا نہیں؟

اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

" سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے، مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ "الضرورات تبیع المحظورات" اسی لیے علما فرماتے ہیں: محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے۔ اس کے بعد محتاج حقیقی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اقول احتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا، ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا، جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا تو سو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا، یا سو، دوسو کی تجارت کرتے ہیں، قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے،

نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا، پانچ سو سودی نکلوا کر لگا دیے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلی ھذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں، تو ان میں حکم جواز نہیں ہو سکتا، اگر چہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں والہذا قوت اہل وعیال کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے، جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے، نق مل سکے ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تو نگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت۔ (۱)

گورنمنٹ سے پرامیسری نوٹ پر سود لینے کا حکم

امام اہل سنت کے عہد میں سودی کاروبار کی ایک صورت یہ بھی رائج تھی کہ لوگ حکومت سے ''پرامیسری نوٹ'' (ایک کاغذ جس میں کسی شخص کو دیے گئے قرض کی تفصیل درج ہوتی تھی) خریدتے تھے، جس کا قاعدہ یہ تھا کہ گورنمنٹ اصل روپیہ کبھی نہیں دیتی تھی بلکہ ساڑھے چار روپے فیصدی سالانہ سود دیا کرتی تھی، نوٹ لینے والا اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچ سکتا تھا، اس کے بعد دوسرا خریدار گورنمنٹ سے سود حاصل کرنے کا مجاز ہوتا تھا، اس تعلق سے امام اہل سنت سے استفتا ہوتو آپ نے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا:

''سود لینا حرام قطعی وکبیرہ عظیمہ ہے، جس کا لینا کسی طرح روا نہیں ہو سکتا، ہاں مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح یا وصول حق، نہ بہ نیت ربٰو وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے، اگر چہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے۔'' (۲)

کفار کے خزانے میں جمع شدہ رقم پر سود کا حکم

امام اہل سنت سے سوال ہوا: ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے

۱۔ فتاوی رضویہ ۱۷/ ۲۹۹

۲۔ فتاوی رضویہ ۱۷/ ۳۰۲

خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟"

آپ نے جواب عنایت فرمایا: سود لینا قطعی حرام ہے اللہ عزوجل نے مطلقاً فرمایا: "واحل اللہ البیع وحرم الربا" ترجمہ: اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقاً حرام فرمایا، اور وہ مطلقاً ہی حرام ہے کافر سے ہو خواہ مسلم سے۔ ہاں اپنا کسی پر آتا ہو یا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے۔

بینک سے سود لینے کا حکم ہے

عصر حاضر میں یہ مسئلہ بہت حساس ہے کہ بینک سے جو انٹریسٹ (سود) ملتا ہے وہ جائز ہے یا ناجائز، بہت سارے علما نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، امام اہل سنت کا بھی یہی فتویٰ ہے، چناں چہ آپ سے سوال ہوا کہ بینک سے سود لینا جائز یا ناجائز؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"سود لینا مطلقاً حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ: وحرم الربوا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ قدیم ج ۷ ص ۹۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

مذکورہ فتویٰ سے ظاہر ہے کہ امام اہل سنت کے نزدیک بینک سے سود لینا ناجائز و حرام ہے، مگر ایک دوسرے فتویٰ سے ظاہر ہے کہ بینک سے ملنے والا انٹرسٹ حرام نہیں ہے، چناں چہ آپ سے سوال ہوا:

"کسی بینک میں روپیہ جمع کر کے اس سے سود وصول کرنا بموجب اس کی شرح کے جائز ہے یا نہیں، یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاک خانے میں جمع کر کے اس سے سود لے سکتا ہے یا نہیں؟" اس کے

جواب میں فرماتے ہیں:

''سود مطلقاً حرام ہے، مسلمان سے ہو یا کافر سے، بینک سے ہو یا تاجر سے''۔

مزید آگے فرماتے ہیں:

''ہاں وہاں بہ نیت کام دے سکتی ہے، جو واقع میں سود نہ ہو، اگر چہ دینے والا اسے سود سمجھ کر دیوے مثلاً کسی کافر کے پاس کوٹھی یا بینک میں (بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو) روپیہ جمع کر دیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے مطابق دیا اسے اپنے روپے کا نفع اور سود خیال کر کے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر کے لیا کہ یہ مال مباح ہے بہ رضائے مالک ملتا ہے تو اس میں حرج نہیں''(۱)

اس فتوی سے ظاہر ہے کہ بینک یا ڈاکخانے سے ملنے والی زائد رقم جسے انٹرسٹ کہتے ہیں اس کا لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ کافر حربی کا بینک ہو، اب دونوں طرح کے فتووں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے اس کو دور کرنے کی کیا صورت ہے؟ اس سلسلہ میں محقق بے بدل، شیخ القرآن، حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''یہیں سے یہ پیچیدگی بھی حل ہو گئی کہ آپ کے کچھ فتووں میں جو یہ موجود ہے کہ بینک سے سود لینا حرام ہے یا آپ کے ارشادات عالیہ میں جو یہ پایا جاتا ہے کہ ہندؤوں سے سود لینا حرام ہے وہ اس نکتے کے پیش نظر تھا کہ ایک امر مباح کو حرام جان کر لینا چوں کہ ناجائز تھا اور مستفسر کرنے والے نے اس کو سود کے لفظ سے تعبیر کیا تھا اس لئے آپ نے اپنی پہلی قسم کے فتاویٰ میں اس کو حرام بتایا تھا، اور آپ کا یہ ارشاد بجا تھا اور جب آپ سے یہ دریافت کیا گیا کہ کافروں کو قرض دے کر ان سے زائد رقم لینا سود ہے کہ نہیں؟ یا بینکوں سے زائد رقم لینا سود کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے دوسری قسم کے فتاوی میں اس بات کو کھول کر بتایا کہ کافروں کا مال لینا چوں کہ مباح ہوا کرتا ہے جب کہ وہ ذمی یا مستامن نہ ہوں اس لیے ان کے لینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں، بشرطیکہ اپنی عزت و آبرو محفوظ رہے اور اس کی رضا سے لے رہا ہو، اس سے کوئی غدر یا

۱۔ فتاوی رضویہ قدیم، ج ۷، ص ۱۰۲، ۱۰۳ رضا اکیڈمی ممبئی

عہد شکنی نہ ہو رہی ہو، کیوں کہ یہ مال سود نہیں ہے جس کی مذمت اسلامی شریعت میں بہت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ہے اور جس کی قباحت کا بیان نہایت موثر اور بلیغ انداز میں ہوا ہے، یہیں سے یہ نکتہ بھی واضح ہو گیا کہ جو جائز ہو گا وہ سود نہیں ہو گا اور جو سود ہو گا وہ جائز نہیں ہو گا۔(۱)

زیورات کو گروی رکھنے کا حکم

امام اہلسنت سے سوال ہوا: ''ہندو سے قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟''

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: ''سود جس طرح لینا حرام ہے یوں ہی دینا بھی حرام جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی، زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا، اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لیے مانگ لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۲)

❀❀❀

ایک سودی اسکیم کا حکم

امام اہل سنت کے دور میں شدن واچ کمپنی جو لکھنؤ میں واقع تھی اس کی طرف سے ایک اسکیم نکالی گئی تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص ایک روپیہ خرچ کر کے ایک کوپن خرید تا تھا، اس کوپن کے ساتھ اسے پانچ کوپن اور ملتے تھے جنھیں پانچ لوگوں کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم کمپنی میں جمع کرنا پڑتا تھا، کمپنی بطور انعام اسے تیس روپے کی مالیت کی سونے کی گھڑی دیتی تھی، اس سلسلے میں آپ سے سوال ہوا کہ یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟ آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

۱۔ مسائل سود ص ۱۰۲

۲۔ فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۳۴۷

''معاملہ مذکورہ محض حرام وقمار، بلکہ محرمات بے شمار کا تو وہ انبار، بلکہ حراموں کا سلسلہ پیدا کنندہ، طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے۔ اس اجمال کی تفصیل مجمل یہ کہ حقیقت دیکھیے تو معاملہ مذکورہ بنظر مقاصد ٹکٹ فروش وٹکٹ خراں ہرگز بیع وشرا وغیرہ کوئی عقد شرعی نہیں، بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسہ ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے، پر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی گھڑی یا گہنے وغیرہ کی خرید وفروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شئی کی جنس ہی متعین، بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز ان چیزوں سے بھیجیں گے، یہ وعدہ ہے اور بیع عقد، اور وعدہ وعقد میں زمین وآسمان کا بعد۔ اب رہی سند اور ٹکٹ سند تو خود مع ٹکٹ واپس مانگتا ہے اور بیع میں مبیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی نہیں، بعینہٖ'' صبی لا یعقل البیع والشراء'' (وہ بچہ جو بیع وشرا کی سمجھ نہیں رکھتا) کی پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے لگے'' فیعلم انه لا یعرف معنی المبادلة و ما البیع الا مبادلة'' (پس معلوم ہوگیا کہ وہ مبادلہ کا معنی نہیں جانتا اور بیع تو ہے ہی مبادلہ) ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتادیا کہ یہ مبیع نہیں ایک اقراری سند ہے جس کے ذریعہ سے یک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا، اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دوانگل کا محض بیکار پرچہ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بہانے حاقی ہے، بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت گھر بیٹھے میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کرنے والے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت منہ مانگے دام پے در پے آیا کریں گے، نوکر دام لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام، مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کریں گے، انسان کسی امر میں دو ہی وجہ سے سعی کرتا ہے: خوف یا طمع، یہاں دونوں مجتمع ہوں گے، ایک کے تیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی نخواہی لازم ہوگا کہ جہاں سے جانے پانچ احمق اور پھانسے چھ، تو یہ نقد بلا معاوضہ ہے، اب وہ تو گرفتار پانچ میں، ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مارے جانے کے خوف سے اور پانچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا، یوں ہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بیجان سعی ہو جائیں گے، پھر جب تک سلسلہ چلا فبہا، گھر بیٹھے بے محنت دونے ڈیوڑھے چھنا چھن آرہے ہیں، اور جہاں تھکا تو اپنا

کیا گیا۔ان ٹکٹ خروں کا گیا،جنہوں نے روپے کو ہوا خریدی،ہمیں یوں بھی صد ہا مفت بچ رہے،
بہرحال اپنا حق کہیں نہیں گیا۔تاجر کے تو یہ منصوبے تھے،ادھر مشتری سمجھ کہ گیا تو ایک اور ملتے تو
تیس۔وقسمت آزمادیکھیں،یہاں نری طمع تھی،اب کہ روپیہ بھیج چکے،مارے جانے کا خوف بھی
عارض ہوگیا اور ہر طرح رزم ہوا کہ اوروں پر جال ڈالیں،اپنا روپیہ ہرا ہو۔دوسرے سوکھے گھاٹ
اتریں تو اتریں،یوں ہی یہ امید وبیم کا سلسلہ قمار ترقی پکڑے گا،ان کے دو چار پکھ حرام مال کی
جیت میں رہیں گے،آخر میں بگڑے گا،جس جس کا بگڑے گا یہی اکل مال بالباطل ہے،جسے قرآن
عظیم نے حرام فرمایا کہ:"یا ایہا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل"
ترجمہ:اے ایمان والو!آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔یہی غرر وخطر وضرار و
ضرر میں پڑنا اور ڈالنا ہے،جس سے صحاح احادیث میں نہی ہے،یہ معاملہ چٹھی سے بدرجہا بدتر ہے،
وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار گناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کے لیے دوسرے پانچ کا
گلا پھانسے گا،تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر وضرر وضرار وغش سب کچھ ہے۔(۱)

❀❀❀

اصلاح حال کے لیے سود لینے کا حکم

امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا:"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا
سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی ورقومی حالت سنوارنے کی غرض سے
سود کا لین دین غیر مسلم سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب میں ارشاد فرمایا:"سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں،قال اللہ تعالیٰ: **و حرم
الربو**۔ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔حدیث صحیح میں ہے:"**لعن
رسول اللہ ﷺ اکل الربو و مؤکلہ وکاتبہ و شاھدہ و قال ھم سواء**"
ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے
والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر،اور فرمایا وہ سب برابر ہیں"۔اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ

۱۔فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۳۰،۳۳۱

دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہو گی۔ اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزوجل فرماتا ہے: "یمحق اللہ الربو ویربی الصدقت" ترجمہ: اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔ جسے اللہ تباہ و برباد کرے وہ کیوں کر بڑھ سکتا ہے، اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو اللہ کی حنت بڑھے گی۔ مبادا دل آں فرومایہ شاد کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد، اس کمینے کا دل خوش نہ ہو جس نے دنیا کی خاطر دین کو برباد کر دیا، اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقیناً تباہی وخسران ہے، سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مالدار، انہیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی، اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں بینے دینے کو موجود ہیں۔ اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا، سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان جنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں، ہزار کا مال دوڈھائی سو میں بہہ جاتا ہے، کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں، نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں، جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاویٰ اور بہت کا ہمارے رسالہ نوٹ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے، مگر کسی کوٹھی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا، اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کا ہو قطعاً حرام واستحقاق نار ہے، ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا تجار میں رائج ہو جائے تو بد شبہہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (1)

تجارت میں ترقی کے لیے سودی لین دین کا حکم

امام اہل سنت سے عبد اللہ احمد سوداگر نامی ایک شخص نے سوال کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ حالت میں بغیر سودی لین دین کے تجارت کرنی بہت مشکل ہے، اس کے بغیر تجارت میں نفع کے بجائے نقصان ہوتا ہے، تو کیا موجودہ حالت میں سودی لین دین میں کوئی گنجائش

---

(1) فتاوی رضویہ ۱۷/۳۳۶

ہے؟ جواب میں امام اہل سنت نے فرمایا:

’’سود لینا مطلقاً عموماً قطعاً سخت کبیرہ ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی ومجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے:’’ يجوز للمحتاج الاستقراض بالربو ‘‘ترجمہ: محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔ ہاں بدضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لیے سودی روپیہ لینا حرام ہے، سودخور کے یہاں کھانا نہ چاہیے، مگر حرام و ناجائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہ سود ہے، مثلاً ان گیہوؤں کی روٹی جو سود میں لیے تھے، یا سود کے روپے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد ونقد جمع ہو گئے، یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔’’في الهندية عن الذخيرة عن محمد به نأخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه‘‘ ترجمہ: فتاویٰ ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے کہ ہم اسی (قول جواز) کو لیتے ہیں جب تک بعینہ کسی شئے کا حرام ہونا معلوم نہ ہو جائے۔ تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علما پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں، ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے، وہ تو بے شک شرع مطہر نے ہمیشہ کے لیے بند کیے ہیں، جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لیے قیدخانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طریقہ تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے اے مسکین! تجھے کل کا دن سنوارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا (القرآن) اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرما دیا ہے: لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى ترجمہ: اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیاوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں وعورتوں کے برتنے کو دی تا کہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۷، ص ۲۹۷)

شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم

شیئر بزار کا مسئلہ: شیئر دراصل مال شراک کا ایک ایسا متناسب حصہ ہے جو کسی کمپنی کے سرمایہ اور اثاثوں کی صورت میں ہوتا ہے، مال خواہ کسی ایک شخص کی ملکیت ہو یا چند افراد کا مشترک ہو اس کی خرید وفروخت اگر اسلامی نظام بیع وشرا کے مطابق ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے زمانے میں تجارت محدود ہوتی تھی، چھوٹے کارخانے اور کمپنیاں قائم ہوتی تھیں، کم سرمایہ کے ساتھ بھی تجارت ممکن تھی مگر آج کے دور میں جب کہ دنیا کمپیوٹر کی وجہ سے سمٹ کر ایک گاؤں بن چکی ہے لوگ بڑے بڑے کاروبار اور تجارت کرنے لگے، بڑی بڑی کمپنیاں قائم ہونے لگیں، تجارت کا دائرہ پھیل کر عامی سطح پر ہوگیا، ایسے میں کمپنیوں کو کثیر رقم اور سرمایہ کی حاجت محسوس ہوئی، اس لئے انہوں نے شیئر کی فروخت کا سلسلہ شروع کیا، یہ حصص کمپنی ایسے لوگوں کو فروخت کرتی ہے جو اسے شیئر کے اعتبار سے پیسہ فراہم کراسکیں۔ اس کے لئے کئی فائدے ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس طریقۂ تجارت سے کمپنی کو ایک خطیر رقم حاصل ہوجاتی ہے جس سے وہ کمپنی بڑی تیزی کے ساتھ ترقی پذیر ہوتی ہے، دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کمپنی کو کوئی نقصان ہوتا ہے یا اس کا دیوالیہ ہوجاتا ہے تو یہ نقصان کئی لوگوں پر بٹ جاتا ہے، جس کا برداشت کرنا بہت مشکل نہیں ہوتا ہے، تیسرا فائدہ یہ کہ گھر بیٹھے لوگ شیئرز کی خرید وفروخت کرکے تجارت کرتے رہتے ہیں، جس سے کبھی کبھی انہیں اچھا منافع بھی ہوتا ہے، اسی لئے آج کل اسٹاک مارکیٹ کو بڑا فروغ حاصل ہورہا ہے اور حصص کی خرید وفروخت نہایت مقبول طریقۂ تجارت بن چکا ہے۔ اس تعلق سے یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شیئرز کو خریدنے کے بعد ان کو واپس کرکے اپنا سرمایہ واپس لیا جاسکتا ہے، اسی طرح سے کثر اس طریقۂ تجارت میں نقصان ہی کا اندیشہ رہتا ہے، اسی طرح شیئرز میں اپنا مال لگانا مخاطرت بالمال ہے، یوں ہی اس طرح کی کمپنیاں عموماً حرام کاروبار کرتی ہیں اور حرام کاروبار میں کسی بھی طرح کی شرکت حرام ہے، انہیں اسباب کے ناتے اکثر محتاط فقہا نے اس طریقۂ تجارت کو ناجائز بتایا ہے جب کہ کچھ اہل تحقیق نے

بعض شرطوں کے ساتھ اس کو جائز کہا ہے۔

امام اہل سنت سے سوال ہوا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ ٹراموے وریلوے کمپنی ودیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی اور تجارت کے لیے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کر کے اس کے حصص فروخت کیے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کیے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں، ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کر کے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے، حصہ داران اپنے حصہ کو بھاؤ سے فروخت کر دیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا ہے کہ آج یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کو کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے، یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دے دیتا ہے، یہاں قابل غور ہے یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شئی طلب کرے تو کمپنی والے وہ شئی اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہتے ہیں تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے، اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ حصص خریدنا عندالشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اس میں زکاۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ بینوا توجروا۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربو اور حرام قطعی ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو

صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے، پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے، غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے، حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربوٰ میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکاۃ لازم آئے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

❀❀❀

بیمہ میں پیسہ لگانے کا حکم

جیون بیمہ کے تعارف کے لیے شیخ القرآن علیہ الرحمہ کی یہ دلچسپ تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''عصر حاضر میں سودی کاروبار کے پھیلاؤ کے لیے سرمایہ پرستوں اور حکومتوں نے نئی نئی اسکیمیں تیار کیں، بلکہ نئے نئے طریقے ایجاد کیے۔ ان میں سب سے ہمہ گیر طریقہ بیمہ کمپنیوں کا قیام ہے، یہ کمپنیاں اپنے اپنے دلالوں اور ایجنٹوں کو بہت اچھے انداز میں ٹریننگ دے کر بھیجتی ہیں، یہ دلال انتہائی چرب زبان، بڑے سخن فروش، شیریں کلام ہوتے ہیں اور اپنی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان کی سخن سازیوں کے جال میں بڑے سے بڑا دانش مند ودانش ور اور انتہائی دین دار و متقی و پرہیز گار پھنس جاتا ہے، یہ مندروں کے پجاریوں، بھکشوؤں اور کلیساؤں کے راہبوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی رسائی مساجد کے اماموں اور خانقاہوں کے مشائخ تک ہوتی ہے، یہ اپنی دل موہنی باتوں سے مملکت کے وزرا کو متاثر کرتے اور غریبوں کی جھونپڑیوں میں پہنچ کر ان بیچاروں کو بھی پھنسا لیتے ہیں اور یہ ایسے انوکھے اور نرالے انداز میں اپنی کمپنی کی پالیسیوں کو بیان کرتے ہیں کہ سننے والا نہ صرف حیرت زدہ رہتا ہے بلکہ اس کو آہستہ آہستہ یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارے بچوں کے شاندار مستقبل کے لیے ان کے خزانے میں بہت سا سرمایہ ہمارے انتظار میں تڑپ رہا ہے، بس ہم کو تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس طرح لاٹری وغیرہ جوئے کی جدید شکل ہیں ٹھیک اسی طرح بیمہ کا کاروبار بھی دولت کے سمیٹنے

۱۔ فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۶۲

اور سودی کاروبار میں صرف کرنے کی ایک بدترین اسکیم ہے، اس میں جوا بھی ہے اور سود بھی، اس میں بھی دولت ضائع ہوتی ہے اور دوسروں کو سودی کاروبار پر ابھارا جاتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے تمام قواعد وضوابط کا جائزہ لیا جائے اور صرف اسی بات پر اعتماد نہ کیا جائے کہ بڑے نازک وقت پر اس سے فائدہ پہنچ جاتا ہے کیوں کہ اس میں مال ضائع بھی ہوتا ہے۔ بیمہ کمپنیوں کی ''ولادت منحوسہ'' کا زمانہ بہت قدیم نہیں ہے تاہم اس کا قیام انگریزوں کے عہد حکومت میں ہندوستان میں ہو گیا تھا اور اس کی مختلف پالیسیوں کا رواج بھی تھا لیکن آزادی ہند کے بعد جس تیزی کے ساتھ اس کا پھیلاؤ ہوا ہے اس وقت نہیں ہوا تھا، اب ہر گھر گاؤں گاؤں بیمہ کمپنی کے دلال پہنچ رہے ہیں اس لئے اس کی تنقیح ضروری ہے کہ جیون بیمہ کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟(۱)

جیون بیمہ کے بارے میں امام اہل سنت سے سوال ہوا: ''کیا فرماتے ہیں علماے دین کہ زندگی کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا حرام، صورت اس کی یہ ہے کہ جو شخص بیمہ کرانا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پاتا ہے کہ پچپن سال یا ساٹھ سال یا پچاس سال کی عمر تک دو ہزار روپے، چار روپے یا پانچ روپے ماہوار کے اعتبار سے تنخواہ سے وضع ہوتے رہیں گے، اگر وہ شخص پچپن سال تک زندہ رہا تو خود اس کو اور معیاد مقررہ کے اندر مر گیا تو اس کے ورثہ کو دو ہزار روپیہ ایک مشت ملے گا خواہ وہ بیمہ کرانے کے بعد اور اس کی منظوری آنے کے بعد فوراً ہی مر جائے اور اگر میعاد مقررہ تک زندہ رہا تو بھی اس کو دو ہزار روپیہ ملے گا، یہ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے ہو رہا ہے کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے تعلق نہیں۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں ہے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر یہ شرط ہے کہ اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی عائد نہ ہوتی ہو جیسے روزہ و حج کی ممانعت، واللہ تعالیٰ اعلم۔(۲)

۱۔ مسائل سود، ص ۱۱۲ تا ۱۱۴

۲۔ احکام شریعت، ج ۲، ص ۱۴۰، ۱۴۱، مطبع محبوب المطابع دہلی

فتاویٰ رضویہ میں جیون بیمہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر غدر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں، لہذا اجازت نہیں '' كما حقق المحقق على الا طلاق في فتح القدير''۔
ترجمہ: جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی۔( )

❀❀❀

جی پی ایف کا حکم

سرکاری محکمہ میں ملازمت کرنے والوں کی تنخواہ سے ایک متعینہ مقدار میں حکومت کٹوتی کرتی ہے، جو ان کے جی پی ایف کھاتے میں جمع ہوتی ہے، پھر ریٹائرمنٹ پر کچھ رقم اپنی طرف سے بڑھا کر ملازمین کو واپس کردیتی ہے، بیچ میں بطور لون اس رقم کو نکلوانے کی سہولت بھی ملتی ہے، جسے بعد میں جمع کرنا پڑتا ہے، اسے انگریزی میں جی پی ایف کہتے ہیں۔

اس تعلق سے امام اہل سنت سے سوال ہوا: ''فدوی ریلوے میں بعہدہ پسنجر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے، ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ سود کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے، لہذا یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ مدرسہ دیوبند سے لاعلمی سے میں نے دریافت کیا تھا، وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتویٰ ہم لوگوں کے واسطے قابل وثوق نہیں ہے، لہذا حضور کی خدمت میں التماس ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔''

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم و کافر کی نہیں رکھی، مطلق ارشاد ہوا ہے: حرم الربٰو۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ تو اسے سود قرار دے کر لینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقاً اس

۔فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۶۵

زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح، بد غدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے، یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کار خیر میں لگائے" کماحققناہ فی فتاوانا" جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کی تحقیق کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۔(۱)

❁❁❁

کوآپریٹو بینک کے سودی کاروبار کا حکم

امام اہل سنت سے ایک بینک کے بارے میں سوال ہوا جسے مسلمانوں نے قائم کیا تھا:

"کیا فرماتے ہیں علماے دین ان مسائل میں کہ: "ایک بینک سودی مسلمانان نے ان شرط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ پہلی قسط بعدہ دس روپے سالانہ داخل کرتا جائے، بعد دس سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فیصدی فی ماہ بارہ کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت موجب بارہ سیکڑہ سود پر روپیہ لے سکتا ہے، قسطوں سے ادا کرتا جائے، کہتے ہیں کہ یہ بینک غریب مسلمانوں کے لیے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا، یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا، ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل و داخل ہے، وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لوں گا، مجھ پر حرام ہے، ضرورت کے وقت سود دیا گیا، چناں چہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگے بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے، ایسا دینا بھی تو حرام ہے، جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت، لین دینا برابر ہے، میں اب داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔"

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: "وہ بینک حرام ہے اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں اور اس کا ممبر بننا حرام ہے اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں، صحیح مسلم میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے: "لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوٰ و موکلہ و کاتبہ و شاھدہ و قال ھم

۱۔ فتاوی رضویہ ج ۱۷، ص ۳۳۹

سواء" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ تو امام مذکور کا اس بینک کی ممبری قبول کرنا گناہ حرام ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ : ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرمایا: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ حدیث میں ہے: "من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام" ترجمہ: جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔ اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اس کے ان سود خوروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے، ولہذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی، تو اس کارکن بننے والا اور اس کے لیے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدر جہاز ائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار حرام اور اعلانیہ فسق واستکبار ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم۔(۱)

❁❁❁

ہنڈی کا پیشہ

امام اہل سنت فرماتے ہیں:

زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز و گناہ ہے، اور اس میں جو بعض وقت کی بیشی ہوتی ہے جسے منی کہتے ہیں وہ نرا سود اور حرام قطعی ہے، اور بطور قرض دینے سے یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے، بلکہ جب معاملہ یوں ہوا کہ اگر یہ روپیہ عمرو کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے، چوری ہو جائے، کسی طرح جاتا رہے، جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے پورا لے تو اسی کا نام قرض ہے، اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو، جمع کرنا کہا ہو، جو امانت کو بھی شامل ہے، اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس روپیہ کا دین دار جانیں گے اور

۱۔ فتاوی رضویہ، ج ۷، ص ۳۴۲۔ ۳۴۳، مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات

کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ دیں گے، تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے، امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا، مع ہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے، امانت تو بعینہا واپس دی جاتی ہے، نہ اس کا عوض، اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ گر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا، عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا، تو یہ ایک نفع ہے، کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا، اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع، جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے۔ سیدنا ﷺ نے فرمایا: قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے، لہذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔ (۱)

❀❀❀

لگان میں زیادتی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ زید زمین دار نے ایک کاشت کار کو اپنی اراضی بنابر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے، بحالت عدم ادائے زر بقایا سوایا یعنی بجاے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیا جائے گا، وقت مقررہ پر لگان نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل وساب در سال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے۔ آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا ناجائز داخل سود ہے؟

جواب: یہ محض حرام وسود ہے، بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد وحرام ہوگیا، فان الاجارة تفسد بالشرط الفاسد کالبیع بانها احد السبعین (کیوں کہ فاسد شرط سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے جس طرح بیع فاسد ہو جاتی ہے کہ وہ ستر میں سے ایک ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

❀❀❀

۱۔ فتاوی رضویہ ج ۲۰ ص ۲۷۔۳۷

۲۔ ایضا، ص ۲۰۹

منی آرڈر کا حکم

رشید احمد گنگوہی نے منی آرڈر کے ذریعہ بھیجی جانے والی رقم پر بھیجنے کی جو فیس دی جاتی ہے اسے سود قرار دے کر حرام قرار دیا ہے، اس کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں سوال ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے: " کتاب المنی والدرر لمن عمد منی آردر "۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہی منشاء غلط ہے، منی آرڈر میں دو قسم کے دام دیے جاتے ہیں: ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے، دوسری محصول کی رقم، مثلاً دس روپیہ دو آنے، اگر پہلے دام بعینہ پہنچائے جاتے، جیسے پارسل میں تو خالص اجارہ ہوتا، اگر بدل کر ان کی نظیر دینے کا ضابطہ بنائے بغیر وہاں نظیر دیتے تو بھی محض اجارہ ہوتا، اور ان اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا، جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ ہوتا، ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرف امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے، مگر جب کہ یہ امساک عین اور دفع مثل ضابطہ معہودہ ہے کہ ڈاک خانے والوں نے اپنی آسانی کے لیے وضع کیے، مگر مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی، اس کا مطلب بعینہ روپیہ بھیجنے میں بھی حاصل تھا، تاہم بوجہ ضابطی وتعارف جب کہ دراہم و دنانیر کو وصول بدل معلوم تو یہاں قرض کا تحقق ماننا بھی غلط نہیں، اگرچہ بلفظ قرض تعبیر نہ کریں، یوں ہی دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دیے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بے شک ربا ہوتی، یا کسی ایسے کام کے عوض کے دیے جاتے جو منفعت مقصودہ عقد اجارہ کے لائق نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا، مگر حاشا یہاں ہرگز ایسا نہیں، بلکہ وہ یقیناً اجرت ہے، دینے والے اجرت ہی سمجھ کر دیتے ہیں، لینے والے اجرت ہی سمجھ کر لیتے ہیں، کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ دو آنے سود کے ہیں جو الٹا مدیون دائن سے لیتا ہے۔ اگر کہیے کس کام کی اجرت؟ ہاں مرسل الیہ کے گھر جانے اور اسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور رسید لانے کی۔ شرع میں مہما امکن تصحیح کلام وتصحیح عقود پر نظر رہتی ہے، نہ کہ زبردستی ابطال وافساد وایقاع فی الفساد پر، جیسے دس روپے دو آنے کے عوض دو روپے دس آنے خریدیں تو بیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے مدیے تو عین ربا، مگر شرع مطہر جنس کو

خلاف جنس کی طرف پھیر کر ربا سے بچاتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ منی آرڈر میں اگرچہ اجارہ محضہ نہیں مگر ہرگز قرض محض بھی نہیں، بلکہ یہاں حقیقۃً دونوں متحقق ہیں، اب شبہات حل ہوگئے، ربا کا خیال اسی پر مبنی تھا کہ یہ قرض محض ہے۔(۱)

❀❀❀

نوٹ کا حکم

سوال کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس نوٹ میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے؟ مثلاً دس کا نوٹ بارہ کو یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم؟

جواب: ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے، کیوں کہ اس پر جو مقدار لکھی ہے وہ لوگوں کی اصطلاح ہے، جسے عاقدین بدل سکتے ہیں، کہ ان پر کسی غیر کو کوئی ولایت نہیں۔ تو انہیں حق ہے کہ کم یا زیادہ جو چاہیں اندازہ مقدار کرلیں۔

سوال: اگر یہ جائز ہے تو ایسا کرنا جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے: روپے تو میرے پاس نہیں، ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں، کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا؟ کہ یہ سود کا حیلہ ہے؟ اور اگر منع نہ کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے؟ کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام؟ حالاں کہ مآل دونوں کا ایک ہے، یعنی زیادتی ملنا۔

جواب: ہاں جائز ہے، جب کہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں، نہ کہ قرض کا، اس لیے کہ بیچنا جائز، کمی بیشی جائز، اور مدت معین پر ادھار جائز، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا دس سے کچھ اوپر دے تو ضرور حرام ہے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا۔(۲)

۱۔ ملخص فتاوی رضویہ مترجم جلد ۹ ص ۵۶۳ تا ۶۰۷

۲۔ ملخص فتاوی رضویہ ج ۷، ص ۹۳، رسالہ کفل الفقیہ الفاہم

ترقی تجارت شرعی ضرورت ہے یا نہیں

اس تعلق سے امام اہل سنت فرماتے ہیں:

شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں) اسی لئے علما فرماتے ہیں: محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے۔ فی الاشباہ والنظائر فی القنیۃ والبغیۃ. یجوز للمحتاج الا ستقراض با لربح اھ قال فی الغمزو ذلک نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلا و یجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا اھ (الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ غمز میں فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلا وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لئے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے) اقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ اس کے بغیر چارہ ہو، نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یدرا، ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا، جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی، سو روپے پاس ہیں، ہزار روپے لگانے کو جی چاہا تو سو سودی نکلوائے، یا مکان رہنے کو موجود ہے، دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا، یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں، قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے، نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دئے۔ یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے، جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں، نہ بیچا، بلکہ سودی قرض لیا، وعلی ھذا القیاس صدہا صورتیں ہیں، کہ یہ ضرورتیں نہیں، تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا ہے، اگر چہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں، وبھذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہو، جس کے ذریعے سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کے بسر کے لائق مل سکے، ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت۔(۱)

۱۔ فتاوی رضویہ ج ۱۷، ص ۲۹۹۔ ۳۰۰

بلاضرورت سودی قرض کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ نے انتقال کیا ،زید بعد فراغت خرچ تجہیز وتکفین کے،خرچ فاتحہ وسویم نہیں رکھتا ہے یا زید اپنی لڑکی کی شادی کرنا فرض سمجھتا ہے اور فرض ہے مگر اتنا خرچ نہیں ہے کہ فرض ادا کرے تو مجبور ہوکر زید نے اپنے دوست عمرو سے اس معاملہ کا تذکرہ کیا ،عمرو نے کچھ زیور زید کو دیا اور یہ کہا کہ اس کو رہن کر کے تم اس فرض یا فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہوجاؤ،زید زیور لے کر برائے رہن چلا اور عمرو وہیں رہا،ایک دوست راستہ میں جو خالد تھا زید نے اس سے تمام معاملہ کی کیفیت بیان کی،خالد سن کر خاموش ہورہا،زید نے خالد سے کہا کہ جلد چلو اور یہ زیور رہن کر کے روپیہ لائیں،خالد زید کے ہمراہ چلا،زید کو ایک شخص اور مد جس کا نام محمود ہے ورہ اس معاملہ سے واقفیت رکھتا ہے اور محمود کو یہ نہیں معلوم کہ خالد اور زید کہاں جارہے ہیں،محمود بھی ہمراہ ہو لیا،یہ تینوں شخص دکان مرتہن پر پہنچے اور زید نے وہ زیور رہن کر کے بشرح سود روپیہ لے کر واپس ہمراہ آئے اور اس روپیہ سے کاربرآری کی،کرسکتے تھے یا نہیں؟ میت کو ثواب پہنچا یا نہیں؟ یا اس لڑکی کی شادی میں کوئی نقص ہوا یا نہیں؟ اوران چار اشخاص میں کون کون مرتکب عذاب کا ہوا؟۔

الجواب: فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لینا حرام ہے،زید ضرور مرتکب گناہ کبیرہ ومستحق عذاب ہوا،یوں ہی عمرو بھی جس نے اس حرام کے لیے زیور دیا،یوں ہی خالد بھی جسے اس نے رہن رکھنے کے لیے کہہ کر اپنے ساتھ لیا،رہا محمود جب کہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں ساتھ جانے میں اس پر گناہ نہ ہوا،مگر وہاں جا کر معلوم ہونے پر اگر اس نے کسی طرح اس میں مدد دی یا تائید کی تو وہ بھی ویسا ہی مرتکب گناہ ہوا مگر اصل نکاح میں اس سے خلل نہیں آتا اور مال حرام لے کر فاتحہ کا ثواب پہنچنا مشکل ہے،واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

❀❀❀

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۷،ص ۲۷۶

سود مطلقاً حرام ہے

سوال: سود لینا کسی قوم سے مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ اور سود کس کس قسم سے ہوتا ہے؟ مشرح بیان فرمایا جائے، کسی بنک میں روپیہ جمع کرکے ان سے سود وصول کرنا موجب اس کی شرح کے جائز ہے یا نہیں، یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کرکے ان سے سود لے سکتا ہے یا نہیں، یا کوئی تجارت اس طرح کی کرے کہ جو اس قدر روپیہ جمع کرے اس کو اتنے سیکڑہ کا سود دیں گے نقصان کا وہ شریک نہیں اور اس کو نقصان سے کچھ مطلب نہیں اور روپیہ جمع کرنے والا سود چاہے نہ لے اور نقصان بھی نہ دے تو وہ حلال ہے یا حرام یا کسی دکاندار کو کچھ روپیہ بموجب نفع کے دے نقصان کا شریک نہ ہوں وہ نفع حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: سود لینا مطلقاً حرام ہے، مسلمان سے ہو یا کافر سے، بنک سے ہو یا تاجر سے، جتنی صورتیں سوال میں بیان کیں سب ناجائز ہیں، قرض دے کر اس پر کچھ نفع بڑھا لینا سود ہے یا ایک چیز کو اس کی جنس کے بدلے ادھار بیچنا یا دو چیزیں کہ دونوں تول سے بکتی ہوں یا دونوں ناپ سے، ان میں ایک کو دوسرے سے ادھار بدلنا یا ناپ خواہ تول کے چیز کو اس کی جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا مثلاً سیر بھر کھرے گیہوں سوا سیر ناقص گیہوں کے عوض بیچنا یہ صورتیں سود کی ہیں اور جو شرعاً سود ہے، اس میں یہ نیت کر لینا کہ سود نہیں لیتا ہوں کچھ اور لیتا ہوں محض جہالت ہے، ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے جو واقع میں سود نہ ہو اگرچہ دینے والا اسے سود ہی سمجھ کر دے مثلاً یہاں کسی کافر کے پاس اس کی دکان یا کوٹھی یا بنک میں بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو روپیہ جمع کر دیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے موافق دیا اسے اپنے روپیہ کا نفع اور سود خیال کر کے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر لیا کہ ایک مال مباح برضائے مالک ملتا ہے تو اس میں حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ج ۱۷ ص ۵۷)

❁❁❁

نوٹ قرض دے کر زیادہ لینا

مسئلہ ۱۵۴ تا ۱۵۵: از بریلی مسئولہ عزیز الدین خاں سوداگر ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین ان مسئلوں میں کہ: (۱) ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا، آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو قرار پایا ہے لیا جائے گا یا نہیں؟ (۲) ہندو سے نقد قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: (۱) دس کا نوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز، جب کہ اسے سود سمجھ کر نہ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) سود جس طرح لینا حرام ہے یوں ہی دینا بھی حرام، جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی، زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا، اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لئے مانگ کر لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت ومجبوری ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

❀❀❀

ایک سودی پلان کا حکم

مسئلہ ۱۵۷: ز شاہجہاں پور محلہ خلیل مرسلہ حاجی محمد اعزاز حسین خان صاحب ۱۶ ربیع اول ۱۳۴۰ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اشتہار دیا ہے کہ میں ایک روپیہ میں تیس روپیہ کی گھڑی دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ جو شخص میرا ٹکٹ ایک روپیہ کو خریدے اس کے نام پانچ ٹکٹ میں بھیجوں گا، جب وہ پانچ ٹکٹ پانچ روپیہ کو فروخت کر کے وہ پانچ روپیہ مع ان کے پانچ خریداروں کے ناموں کے میرے پاس بھیج دے پھر میں ان پانچوں خریداروں کے

---

(۱) فتاوی رضویہ: ج ۱۷، ص ۳۳۶

پس پانچ پانچ ٹکٹ بھیجوں گا، جب کہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کر کے مبلغ پچیس روپیہ میرے پاس بھیج دیں گے تو میں تیس روپیہ کی گھڑی اس مقدم الذکر شخص کے پاس بھیج دوں گا اور پھر وہ شخص اشتہار دینے و. ان پچھلے پچیس خریداروں میں سے ہر ایک کے نام پانچ پانچ ٹکٹ بھیج دے گا، جب کہ یہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کر کے روپیہ اس کے پاس بھیج دیں گے جب وہ ان پانچ شخصوں کے پاس تیس تیس روپیہ کی گھڑی بھیجے گا جنھوں نے مقدم الذکر شخص سے ٹکٹ خریدے تھے غرض کہ اسی سلسلہ میں جب کہ اس کے پاس تیس روپیہ پہنچتے جائیں گے تو وہ حسب ترتیب ایک شخص کو گھڑی بھیجتا رہے گا، تو ہر شخص کو گھڑی ایک روپیہ میں ملے گی مگر بایں شرط کہ اس کے ذریعہ سے تیس روپیہ کے ٹکٹ اس شخص کے فروخت ہو جائیں اور وہ ٹکٹ دراصل بطور ایک سند و وثیقہ خریداری کے ہیں، کیوں کہ اس ٹکٹ پر لفظ کوپن اس نے لکھا ہے جس کا ترجمہ سودی اقرار نامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ٹکٹ مبیعہ نہیں بلکہ اقرار نامہ ہے اس بات کا کہ بعوض ایک روپیہ تیس روپیہ کی شے اشیاے مبیعہ سے جس کی وہ خریدار درخواست کرے بلحاظ شرائط مذکورہ و مندرجہ اشتہار دے گی، پس اس معاملہ مذکورہ سے کسی شے کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد بیع ہے یا کیا؟ اور اگر بیع ہے تو اس میں کوئی دوسرا عقد مثل توکیل و دلالی و اخذ اجرت وغیرہ مندرج ہے یا نہیں، اور ثمن وہ ایک روپیہ ہے یا مع اس زیادتی مذکورہ کے، اگر مع زیادتی ہے تو یہ بیع بطریق بیع چھٹی مروجہ ممنوعہ شرعیہ کے معنی میں ہوگی، گو ایک تخت سب چھٹی نہ ہوں، متفرقاً متفرقاً ہوں یا اس معنی میں نہیں، پھر یہ بیع باندراج شرائط مذکورہ بالا جائز ہوگی یا نہیں؟ بحوالہ شرعیہ و دلائل معتبرہ جواب مرحمت فرمایا جائے اور نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ہم رشتہ سوال ہذا ہے۔ بینوا اللہ توجروا عنداللہ۔

الجواب: معاملہ مذکورہ محض حرام وقمار، ہزاراں ہزار محرمات بے شمار کا تودہ وانبار، بلکہ حراموں کا سلسلہ ناپیدا کنار، صرف اختراع ابلیس مکار ہے، قال اللہ تعالیٰ: وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک مافعلوہ فذرھم وما یفترون ۝ ولتصغی الیہ افئدۃ الذین لایؤمنون بالاخرۃ ولیرضوہ ولیقترفوا ماھم مقترفون. اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے کچھ دشمن بنائے، شیطان آدمی اور جن کہ ایک دوسرے کے

دل میں جھوٹی بات مع کی ہوئی ڈالتے ہیں ،ایک تو فریب دینے کو اور تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو تو چھوڑ دے انہیں اور ان کے باندھنے جھوٹ کو دوسرے اس لئے کہ جھک آئیں اس باطل کی طرف ان کے دل جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور اس کے ذریعہ سے کمائیں جو انہیں کمانا ہے ۔آخرت میں وبال وعذاب اور دنیا میں ، مثلاً صورت مسئولہ میں کوئی روپے اور کوئی گھڑی یا گہنہ وغیرہ اور کوئی خسر الدنیا والاخرۃ (دنیا وآخرت میں اس نے گھاٹا پایا۔) کہ روپیہ گیا اور کچھ نہ ملا قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون ۔اے نبی تو ان لوگوں سے فرما: کیا اللہ نے تمہیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر بہتان اٹھاتے ہو۔(۱)

عصر حاضر کے تناظر میں پیدا شدہ ایک اضطراب کا حل

مسئلہ ۱۹۱: مسئولہ عبداللہ احمد سوداگر امراوتی برار شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں سود خوری کی سختی سے وعید فرمائی ہے اور بیشک قرآن حکیم کے اوامر ونواہی انسان کے لیے دارین میں سودمند ہیں، اس کے ہر فرمان پر ہمارا سر تسلیم خم ہے، مگر مزید اطمینان کے لئے استفتا کرنے کی ضرورت پڑی کہ سود دینا اور سود لینا دونوں قطعی حرام ہیں، میرے ناقص خیال میں ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا مشکل سے نکلے گا جو مقدم الذکر دو بدؤں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہ ہوا، تجارت کے کاروبار شاید ہی بغیر سود کے انجام پائیں، یہ ایک قابل غور بات ہے کہ فی زمانہ شرح سود اس قدر کم ہے کہ دینے والا خوشی سے ادا کرتا ہے، اس پر کسی طرح کا بار نہیں پڑتا ہے، کیوں کہ اس کو فی صدی آٹھ آنے دینا پڑتا ہے تو ان روپوں سے تجارت کرکے سیکڑے دس پیدا کرتا ہے، اس لئے لینے والا اور دینے والا دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں، تو معروض یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے، ربا کے جواز وعدم جواز میں کیا راز مضمر ہے، اور اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی کیا باعث ہے، مفصل تحریر فرماکر کم ترین کو مطمئن فرمائیں، بغیر سود کے آج کل بیوپار کرنا مشکل نہیں تو محال ضرور ہے، خاص کرکے ولایت کی تجارت کا دارومدار ہی سود پر ہے، مثلاً بمبئی میں ولایت کی ہنڈوی کا بھاؤ آج پندرہ روپے ہے تو کل چونے پندرہ تو پرسوں ساڑھے پندرہ، تو پھر ایسی حالت میں سود سے بچنا کیسے ہوسکتا ہے، جب کہ لاکھوں کا

۱۔فتاویٰ رضویہ، ج ۱۷، ص ۳۲۷ تا ۳۲۰

لین دین ہوتا ہے، چوں کہ آج کل تجارت زیادہ تر غیر قوموں کے ہاتھ میں ہے تو ان کے ساتھ باہم خرید وفروخت میں بغیر لیے دئے کے چل نہیں سکتا تو اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مسلمان اعلیٰ پیمانہ پر تجارت نہ کریں، صرف قوت بسری کے لئے کچھ تھوڑا بہت کر یا کریں، جس طرح بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام کردی گئی تھی، آج کل تجارت میں بڑا نقص یہ بھی ہے کہ مال زیادہ تر ادھار بکتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر خریدار کے ذمہ سود نہ لگایا جائے تو شائد وہ مہینے میں دینے والا برس بھر میں مشکل سے ادا کرے، کافروں کے ذمہ جو سود عائد ہوتا وہ ان سے وصول کر کے غریب مسلمان کو جو تعلیمی اخراجات کے بار کے متحمل نہیں ہو سکتے اور بے علمی کی وجہ سے اکثر مسلمانوں کے لڑکے آوارہ ہو جاتے ہیں اور رذیل پیشہ اختیار کر کے بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں، ایسے محتاج مسلمانوں کے تعلیمی امدادی فنڈ میں دیا جائے تو کیا قباحت ہے، کیوں کہ تین دن کے فاقہ پر حرام بھی کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ سود خور اور سود دینے والے کے لئے اس قدر عتاب انگیز کلمات لکھے گئے ہیں کہ اس کے یہاں کھانا تو درکنار اس کے سایہ میں بیٹھنا بھی ایک سخت گناہ ہے، پھر ایسی حالت میں جب کہ دنیا بھر میں ہزار میں سے ایک بھی اس دقت سے بری نہیں، کیا حال ہوگا یہ ممالک اسلامیہ میں بھی بنک کھولے گئے ہیں اور برابر لین دین ہوتا ہے، البتہ طبقہ علماء ومشائخ اس سے محترز ہے، مگر جب وعظ نصیحت کے لئے نکلتے ہیں تو ان بیچاروں کو بھی سفر میں جن کے یہاں کھانے پینے کا اتفاق ہوتا ہے اکثر سود لینے یا دینے والے ہوتے ہیں، پھر مجبوری سے کہو یا خوشی سے مگر میں نے کسی عالم یا مشائخ کو اس بارے میں کسی طرح کا اعتراض نکالتے نہیں دیکھا ہے، ماسوا اس کے کہ مدرسوں اور دینی امورات کیلئے جو چندے وصول کیے جاتے ہیں ان میں سے شاید ہی کسی ایسے کا چندہ ہو جو اس بلا سے بچا ہوا ہو، مورخ خاکان نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت لکھی ہے کہ امام صاحب سے شہاب الدین غوری نے ایک کثیر رقم قرض لی تھی، جب اس کو ادا کیا تو صدقے طور پر بہت بڑی رقم اضافہ کر کے دی تھی تو اس زیادہ کی رقم کو کیا کہنا چاہئے اور اس طرح لینا بھی جائز ہے کیا؟ فقط۔

الجواب الملفوظ: سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن واحادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کے جواب میں قرآن عظیم

نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص، عام تو یہ کہ: **لایسئل عما یفعل وھم یسئلون ان الحکم الاللہ للہ الحکم والیہ ترجعون. وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا** اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو اسی کی حکومت ہے، اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں پہنچ کہ جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انھیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ ورسول کے حکم پر نہ چلے بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔ اور خاص یہ کہ کافروں نے اعتراض کیا تھا: **انما البیع مثل الربو** (بےشک بیع سود کی مثل ہے) (القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵) تم جو خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے، اس کا جواب ارشاد فرمایا: **واحل اللہ البیع وحرم الربو**۔ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ (القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵) تم ہوتے ہو کون، بندے ہو، سر بندگی خم کرو، حکم سب کو دئے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بیجا ہے، یہ کیوں ہے، یوں نہ چاہئے، یوں ہونا چاہئے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چون وچرا کی مجال نہیں ہوتی تو اس ملک الملوک، بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں، اور کس لئے کا دم بھرنا، کیسی سخت نادانی ہے، والعیاذ باللہ تعالی۔

سود لینا مطلقاً عموماً قطعاً سخت کبیرہ ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی ومجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے: **یجوز للمحتاج الاستقراض بالربو**۔ محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے، ہاں بلا ضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے، سود خور کے یہاں کھانا نہ چاہئے مگر حرام وناجائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہ سود ہے، مثلاً ان گیہوں کی روٹی جو اس نے سود میں لیے تھے یا سود کے روپے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد ونقد جمع ہوگئے، یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض

خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔ فی الھدیة عن الذخیرة عن محمد به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه، ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے کہ ہم اسی (قول جواز) کو لیتے ہیں، جب تک بعینہٖ کسی شے کا حرام ہونا معلوم نہ ہو جائے تو نہ خلق پر تنگی ہے، نہ علما پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں، ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے، وہ تو بیشک شرع مطہر نے ہمیشہ کے لئے بند کیے ہیں، جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کے اموال کی وسعت اور طریق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے، اے مسکین! تجھے تو کل کا دن سنوارنا ہے، یوم لاینفع مال ولا بنون الا من اتی الله بقلب سلیم۔ جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہو۔ اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرمادیا ہے: ولاتمدن عینیك الی مامتعنا به ازواجا منهم زهرة الحیوة الدنیا لنفتنهم فیه ورزق ربك خیر وابقی۔ اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں وعورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔

چندہ کا جواب اوپر آ گیا کہ اگر ہم کو تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ روپیہ جو دے رہا ہے بعینہٖ سود کا ہے تو لینا حرام ورنہ جائز۔ ربا اس صورت میں متحقق ہوتا ہے کہ عقد میں مشروط ہوا گرچہ شرط نصاً نہ ہو یا عرفاً ہو، ورنہ احساناً قرارداد سے زائد دینا نہ ربا ہے نہ جرم۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پاجامہ خریدا اور قیمت کی چاندی وزن کرنے والے سے ارشاد فرمایا: زن وارجح۔ تول اور زیادہ دے۔ یہ احسان ہے، وما علی المحسنین من سبیل (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں، پھر امام رازی پر کیا اعتراض ہے، سود لینا شرع نے مطلقاً حرام فرمایا ہے مسلم سے ہو یا کافر سے، قال تعالیٰ: وحرم الربو (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام

کیا) اس میں کوئی تخصیص نہیں مگر مدار اعمال نیت پر ہے، اگر کسی کافر کا مال کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن، بد غدر و بد عہدی اور بغیر کسی نیت ناجائز کے حاصل ہو تو بہ نیت شے مباح اسے لینا ممنوع نہیں، اگرچہ وہ دینے والا اپنے ذہن میں سود ہی سمجھ کر دے، یہ مال مساجد و مدارس و مصارف یتامیٰ میں بھی صرف ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

❀❀❀

بیمہ کی مختلف صورتوں کا حکم

مسئلہ ۱۹۴: از مقام بمبئی سیتارام بلڈنگ کوٹھی صاحب عبد اللہ علی رضا صاحب مسئولہ سرور خان ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ۔

مصدر فیض وحسنات، مکرم ومعظم، اعلیٰ حضرت، مولانا قبلہ دام ظلکم، السلام علیکم! برادرم محمد عبد العزیز نے کلکتہ سے آں جناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا، آں جناب نے ناجائز کا فتویٰ دیا، مذکور فتویٰ کو انہوں نے میرے پاس بھیج دیا، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سوال ان کا ناقص ہے، دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے، امیدوار جواب باصواب ہوں۔

ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا وآگ کے بیمہ کے، جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے، صورتیں اس کی متفرق ہیں: پہلی صورت میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے، مثلاً تیس سال کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لئے اپنا بیمہ اتارا تو سالانہ فیس اس کو اٹھائیس روپیہ دینا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار روپے دے گی، مثلاً آج کسی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو مہینہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مر گیا تو بیمہ کی پوری رقم ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ معدودے فقط چند سال تک ہر سال کمپنی مذکور کو دیتا

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج ۱۷، ص ۳۵۷ تا ص ۳۶

رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار روپیہ دی جائے گی، یہ پہلی صورت سے اچھی ہے، چند سال فی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص کی عمر تیس سال ہے اور ساٹھ سال کی عمر تک کمپنی کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہے اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دی جائے گی، اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت کے مرگیا تو بیمے کی طرف سے اس کے وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی یک ہزار روپیہ دی جائے گی۔ تیسری صورت: کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچپیں سال یا ساٹھ سال یا باسٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے، اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکور اسی کو ملے گی، ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے، مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک ہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے، اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو فیس مذکورہ دینا ہوگا، اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایک ہزار ملے گی، اس درمیان میں بیمہ اتارنے والا مرگیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

چوتھی صورت: یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے، فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے، اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا، اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے، مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایک ہزار روپیہ چاہتا ہے تو اس کو سالانہ بیالیس روپیہ دینا ہوگا، بیس سال کے بعد پھر دینا نہ ہوگا، جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دے دے گی، یعنی مبلغ ایک ہزار روپیہ، اس اثنا میں وہ مرگیا تو اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار روپیہ مل جائے گا۔ کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا، اس کے بعد دینا نہ چاہے یا دے نہ سکا اور کمپنی سے روپیہ جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کردہ اس کو ملے گی، مثلاً دس سال تک دیتا رہا، اندازاً جملہ چار سو ہوا، زیادہ ہوا یا کم ہوا، اب وہ کمپنی سے اپنا معاہدہ منسوخ کرا کر جو روپیہ بھرا ہے واپس چاہتا ہے، تو فقط نصف رقم چار سو کی دو سو ملے گی، اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ گزرنے پر جس کو وہ انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالنسابتہ ملے گی، مثلاً چوتھی صورت کا بیمہ کسی نے لیا پانچ سال تک فی دیتا رہا

، اس کے بعد دے نہ سکا یا دینا نہ چاہا تو اس کو پاؤ رقم کی دے کی رسید ملے گی ، یعنی ۲۵۰ روپیہ اس کو یا تو بشرط حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکور روپیہ ۲۵۰ ملے گا یا بعد موت اس کے وارثوں کو ملے گا، بیمہ کی فیس جدا جدا ہے، جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی، بڑی عمر کے لئے زیادہ فیس ہے، یہ حساب بیمہ اتارنے کے وقت کیا جاتا ہے اور بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگا جس کو وہ پسند کرے۔ بالا مذکور صورتوں سے روپیہ جمع کرنا اور بیمہ کمپنی سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی المذہب ہے لہٰذا فتوی بھی اسی مذہب پر ہو۔ والسلام

الجواب: یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں، لہٰذا اجازت نہیں کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی) واللہ تعالیٰ اعلم ( )

❁❁❁

سودی دستاویز لکھنے کا حکم

مسئلہ ۱۹۲: مرسلہ وحید الدین صاحب محلہ اردو بازار بھاگلپور سٹی۔

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان دار اسلام ہے یا دارالحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں، ہندوستان میں غیر اقوام سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ جو شخص سود دیتا ہے یا سود تمسکات کی تحریر کی اجرت سے اپنی اوقات گزاری کرتا ہوا ایسے شخص کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہندوستان دارالاسلام ہے، دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو، یا اب نہیں تو پہلے تھی، اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ وعیدین و

فتاوی رضویہ، ج ۱۷، ص ۳۶۴۔۳۶۵

اذان واقامت وجماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کیے اور شعائر اسلام یک لخت اٹھا دیے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا، اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہو جائے گا، جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوسکتا۔ سود لینا نہ مسلمان سے حلال ہے نہ کافر سے۔ سودخور اور تمسک لکھنے والا اور اس پر گواہی کرنے والے سب ایک حکم میں ہیں(۱)

❀❀❀

سود کی چند جدید صورتیں

مسئلہ ۱۹۸: از لکھنؤ بازار جھاؤلال مکان ۳۷ مسئولہ سید عزیز الرحمان ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ۔

ماقولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیا فرمان ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔) ربا کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے، مگر قرآن مجید میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی، ایام جاہلیت میں جو ربا عام طور پر شائع تھا وہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد گزر جانے پر مدیون راس المال پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی سے دونوں میں معاہدہ ہو جاتا تھا، اسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کرکے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا، جیسے کہ اس زمانے میں مہاجنی کا طریقہ ہے، اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں، مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں، جیسے بنک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں، ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ درحقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ درحقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو مگر درحقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو متیقن ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں متیقن نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے، اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فی

(۱) صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷ (فتاوی رضویہ ج ۷، ص ۳۶۷)

صدی تین یا پانچ روپیہ پیسے سے متعین کر کے یا کرے، خصوصا اس زمانے میں جب کہ کروڑوں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکا کی جانب سے ڈائرکٹروں کی جماعت کاروبار چلانے اور حساب وکتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور ریزروفنڈ (محفوظ) کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کیے جاتے ہیں جو درحقیقت ان شرکا کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں، تو جو منافع بعد پس انداز کرنے ریزروفنڈ کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہوسکتا اور نہ ایسے کاروبار میں روپیہ دخل کرنے کو قرض کہا جاتا ہے، علاوہ اس کے ربا کی حرمت کی جو علت آیہ کریمہ لاتظلمون ولاتظلمون (نہ تم ظلم کرو ورنہ ظلم کئے جاؤ۔ت) میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

الجواب: یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں، کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض شرکت دیتا ہے یا بطور ہبہ یا عاریۃ یا قرض۔ صورت ہبہ تو یہاں بداہۃً نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشمس، شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شریکوں کا اصل ونفع دونوں میں اشتراک ہے، ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کل نفع کا یہی مالک ہوگیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح (نفع) میں شرکت کب ہوئی۔ جوہرہ نیرہ وتنویر الابصار میں ہے: الشرکۃ عبارۃ من عقد بین المتشارکین فی الاصل والربح، تنویر وشرح مدقق علائی۔ شرکت نام ہے اصل ونفع میں دو شریک ہونے والوں کے درمیان عقد کا، تنویر وشرح مدقق علائی۔ درمختار میں ہے: شرطھا ای شرکۃ العقد عدم مایقطعھا کشرط دراھم مسماۃ من الربح لاحدھما لانہ قد لایربح غیر المسمی و حکمھا الشرکۃ فی الربح۔ شرکت عقد کی شرط اس چیز کا نہ پایا جانا ہے جو شرکت کو قطع کرے جیسے دو شریکوں میں سے ایک کے لیے نفع میں سے معین درہموں کی شرط کیوں کہ کبھی ان معینہ درہموں کے علاوہ کوئی نفع ہی نہیں ہوتا اور شرکت عقد کا حکم نفع میں شرکت ہے۔ اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کے دس دس روپے نفع کے لئے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لوٹ

ہے۔شرکت کا مقتضی یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کی قدر پڑے۔ردالمحتار میں ہے:ثم یقول فما کان من ربح فھو بینھم علی قدر رؤس اموالھما وماکان من وضیعة او تبعة فکذلک ، ولا خلاف ان اشتراط الوضیعة بخلاف قدرراس المال باطل واشتراط الربح متفاوتا صحیح فیما سیذکر۔پھر کہے، جو بھی نفع ہوگا وہ دونوں کے درمیان ان کے سرمائے کی مقدار کے حساب سے ہوگا، یوں ہی حکم نقصان کا بھی ہوگا۔اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرمائے کی مقدار کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے اور نفع میں تفاوت کی شرط لگانا صحیح ہے۔ہاں اگر نقصان ہوا جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب، اصل مقتضائے شرکت عدل ومساوات ہے۔قال اللہ تعالیٰ: **فھم شرکاء فی الثلث**۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:سب ترکہ کے تیسرے حصہ میں شریک ہیں۔فرض کیجیے کہ اصل سرمایہ ان سو حصوں سے دوچند تھا اور بس پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف والے ایک ہزار لیں گے اور دوچند والوں کو صرف پانسو ملیں گے، آدھے کو دونا اور دونے کو آدھا، یہ عدل ہوا یا صریح ظلم۔ بالجملہ اس عقد مخترعہ کو شرکت شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں، اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض، عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا، اور عاریت میں شے بعینہٖ قائم رہتی ہے۔درمختار میں ہے :عاریة الثمنین قرض صرورة استھلاک عینھا۔ثمنوں (سونے اور چاندی) کی عاریت قرض ہے کیوں کہ اس میں عین کو ہلاک کرنا لازم ہے۔بہر حال یہاں نہیں مگر صورت قرض، اور اس پر نفع مقرر کیا گیا، یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:کل قرض جر منفعة فھو ربو۔قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ ربا ہے۔قرآن کریم اس نفع منفح کی تحریم سے ساکت نہیں ،خود سائل نے علت تحریم ربا تلاوت کی "**لاتظلمون ولاتظلمون**" اور یہاں "**تظلمون وتظلمون**" دونوں ہیں، ان مذکور صورتوں میں کہ ہزار ہی نفع کے ہوئے اور سب ان سو حصہ داروں نے لیے یا نفع کے پندرہ سو ہوئے اور نصف والوں نے دونے لیے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظلوم، وراگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں نے دونے لیے، یہ ظالم ہیں وروہ مظلوم، اوراگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں کو پانچواں حصہ ملا اوران دوچند ہی والوں

کو چار رچند، یہ مظلوم ہوئے اور وہ ظالم، اور اگر یہ حصے سرمایہ سے تھے تو ظلم اشد ہے، اور دو نے اور آدھے کو چار۔ اب ایک صورت اگر یہ خیال کی جائے کہ اصل سرمایہ ان حصوں سے جدا نہ ہوا نہیں حصوں سے تجارت شروع ہوئی، مثلاً سو اشخاص نے سو سو روپے ملا کر دس ہزار سے تجارت کی اور ہر شریک کے لئے دس دس روپے نفع منتج قرار پایا، یہ صورت ظاہر کر دے گی کہ وہ قرار داد ظلم و جبریت تھا یا محض جہل وحماقت۔ فرض کیجیے ایک سال پانچ ہی سو نفع کے ہوئے تو یہ سو پر دس دس کرکے کیسے بٹیں، کیا پانسو کہیں سے غصب کر کے ملائے جائیں گے یا پچاس ہی کو دے کر پچاس کو رے چھوڑ دئے جائیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو دیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو محروم رکھیں گے۔ فرض کیجیے دو ہزار نفع کے ہوئے تو دس دس بانٹ کر ہزار بچیں گے، یہ کس راہ چلتے کو دے جائیں گے یا اسی تجارت میں لگا دئے جائیں گے، اگر اسی میں لگائیں گے تو سب کی طرف سے یا بعض کی طرف سے ثانی میں وہ بعض کون ہوں گے اور ان کو کیوں زیادہ مدد اور اوں پر سب کو بیس بیس ملے اور ٹھہرے تھے دس دس خلاف قرار داد عقد کیوں کر ہوا۔ لاجرم عقل ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ جس سال ہزار نفع کے ہوں گے سب دس دس پائیں اور پانسو تو سب پانچ پانچ اور دو ہزار تو سب بیس بیس، اور کچھ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں، اور نقصان ہو تو سب پر حصہ رسد۔ یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت، اور یہی شرکت شرعیہ، اور وہ نفع منتج رجماً بالغیب ٹھہرا لینا محض جہل وحماقت تھا، بالجملہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شر ہی لاتا ہے، خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (۱)

❀❀❀

بینک کا انٹرسٹ کہاں خرچ کرنا چاہیے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ایک شخص کو سرکاری بنک گھر سے اس کے روپوں کا سود آتا ہے، آیا یہ شخص سرکار سے سود لے لے اور آپ نہ کھائے اور محتاج اور غریبوں کو تقسیم کر دیا کرے یا کسی مفلس تنگدست کے گھر جس کو پانی کی قلت ہو کنواں لگوادے، آیا وہ شخص از روئے شرع شریف سود خوروں اور گناہگاروں میں شمار تو نہ ہوگا، اور ان مفلسوں اور محتاج گھر والوں کے واسطے نقد وغیرہ اس

۱۔ فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۴۰۷ تا ۳۷۴

سود سے لینی اور اس کو کنوئیں کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

الجواب : سود لینا مطلقاً حرام ہے۔قال اللہ تعالیٰ: وحرم الربو، وقال تعالیٰ :وذروا ما بقی من الربو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود سے،تو یہ شخص جس نے سود کی نیت سے یا اپنی نیت فاسدہ پر گنہگار ہوا، ہاں جب کہ وہ روپیہ برضا مندی گورنمنٹ حاصل کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے یا اس سے بینے والوں کو کسی ضرر کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں۔ تو فقرا و غربا اسے نہ یہ سمجھ کر کہ سود کا روپیہ ہے بلکہ یہ جان کر کہ از خزانہ برضائے حاکم وقت حاصل ہوا ہے لے سکتے ہیں،ان کے لیے طیب وحلال ہے، یوں ہی اس سے بنوایا ہوا کنواں،کما فصلناہ فی فتاونا المسألۃ مسألۃ الظفر المنصوص علیہ من الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔جیسا کہ اس کو ہم نے اپنے فتاویٰ میں مفصل بیان کیا ہے، یہ مسئلہ اپنے حق کو کسی طریقے سے حاصل کر لینے میں کامیابی کا مسئلہ ہے جس پر درر وغیرہ کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم حکمہ احکم۔ ( )

❀❀❀

ڈاک خانے سے ملنے والے انٹرسٹ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا مگر میرا ارادہ سود لینے کا نہ تھا بلکہ میں نے منع کیا کہ سود نہ جمع کرنا بعد کو جب عرصہ ہو گیا تو میں روپیہ لینے کے واسطے ڈاکخانہ گیا تو اس نے مع سود روپیہ مجھ کو واپس دیا، میں نے انکار کیا کہ میں سود نہ لوں گا، اس نے کہا کہ ہم بھی واپس نہیں کر سکتے ،سود تم کسی محتاج کو دے دینا، اس میں عالموں کی کیا رائے ہے اور شرع کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ روپیہ محتاج کو دینا ثواب ہے یا نہیں؟ کیوں کہ سرکار اس روپیہ کو واپس نہیں لیتی ہے اور ہمارے بھی کسی کام کا نہیں، اس حالت میں محتاج کو دیں یا کیا کریں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب کہ اس نے نہ سود لینا چاہا نہ اصلاً اس کا قرار دکیا بلکہ صراحۃً منع کر دیا، نہ اب

---

۱ فتاویٰ رضویہ، ج ۱۷، ص ۳۷۴

سود ینا مقصود تو فقرا کو پہنچانے کی نیت سے وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بد غدر و عہد شکنی بلکہ بخوشی ملتا ہے لینا اور سے کر مساکین مستحقین کو پہنچا دینا ضرور موجب ثواب ہے ،لان فیه الاحسان بالمساکین، واللہ یحب المحسنین، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ماںوی ، و قد قال صلی اللہ تعالی علیه وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه۔رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالی عنه۔ واللہ تعالی اعلم۔کیوں کہ اس میں مسکینوں پر احسان اور مستحقین کو ان کا حق پہنچانا ہے،اور اللہ تعالی احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے،اور بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔اس کو امام مسلم نے سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت فرمایا۔اور اللہ تعالی بہتر جانتا ہے۔( )

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیونگ بنک یعنی ڈاکخانہ جات سرکار میں روپیہ جمع کرنا اور اس کو سود ۴ فیصدی جو حسب قاعدہ سرکاری جمع کنندہ کو ملتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب : سود مطلقا حرام ہے،قال اللہ تعالی: وحرم الربو۔اللہ تعالی نے رشاد فرمایا: حرام کیا ہے اللہ تعالی نے سود کو۔ہاں اگر کسی کا اپنا مطالبہ واجب یا مباحہ جائزہ زید پر آتا ہو اور ویسے نہ ملے تو صرف بقدر مطالبہ جس طریقہ کے نام سے مل سکے لے سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ اپنا حق لیتا ہے نہ کہ کوئی چیز ناجائز،دینے والے کا اسے ناجائز نام سے تعبیر کرنا یا سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جب کہ اس کی نیت صحیح اور حق جائز وواجبی ہے۔اس امر میں مسلم وغیر مسلم سب کا حکم یکساں ہے،بشرطے کہ غدر نہ کرے،فتنہ نہ ہو۔قال اللہ تعالی: و الفتنة اکبر من القتل واللہ تعالی اعلم۔اللہ تعالی نے فرمایا: فتنہ قتل سے بڑا (گناہ) ہے۔واللہ تعالی اعلم۔(۲)

❁❁❁

۱۔فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۳۷۵

۲۔فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۳۷۶

موجودہ وقت میں سود سے بچنے کا آسان طریقہ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ریاست بہاولپور کے حکام نے ہندوؤں کے قرض سے مسلمانوں کو رہائی دلانے کے لئے ہر بستی اور گاؤں میں بنک تجویز کیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس بستی کے چند معتبروں کو بنک کا ممبر ظاہر کر کے کہتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق روپے بنک میں داخل کرا کے اپنے پاس جمع رکھو، پھر نہیں خاص روپوں میں سے داخل کرنے والے کو یا دوسرے کو بوقت ضرورت تھوڑے سے سود پر میعادی قرض کے طور پر دیں اور میعاد گزرنے پر وہ روپے سود سمیت اس سے واپس لیں اور پھر اسی طرح کسی دوسرے شخص کو اسی طریقے سے قرض دیں، اسی طرح یکے بعد دیگرے حاجت مندوں کو سود پر قرض دیئے جائیں تاکہ تمہارے ادا کردہ سود سے تمہاری جائداد ترقی اختیار کرے اور مسلمانوں کی حاجات ان کے اپنے مال سے بآسانی پوری ہوں اور ہندوؤں سے قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔ شرع شریف میں اس بنک کو روپیہ دینا اور اس سے لینا کیا حکم رکھتا ہے چوں کہ اس معاملہ میں عام مسلمان حاکموں کی طرف سے مامور اور مجبور ہیں اس لیے اگر ان کے اس فعل کے جواز کی طرف کوئی اشارہ فرمایا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور اور مخلوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔

الجواب: سود لینا بالاتفاق حرام قطعی اور سخت کبیرہ گناہ ہے اور سود دینے کی محتاج کو حاجت شرعیہ صحیحہ کے وقت اجازت دی گئی ہے۔ درمختار میں ہے کہ محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے، اس بنک کا حاصل یہ ہے کہ جو حرام ہندو کھاتے ہیں وہ حاصل ہو جائے تاکہ اس کو مسلمان کھائیں۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے، اس بنک کے کارکن اگر دین کا درد رکھتے ہیں تو ایک ایسی صورت مہیا ہے کہ وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل کریں اور حرام سے خلاصی بھی پائیں، جو کوئی مثال کے طور پر سو روپیہ قرض چاہتا ہے اس کو زر نہ دیں بلکہ وہ کاغذ دیں جس کا نام نوٹ ہے اور وہ بھی بطور قرض مت دیں کیوں کہ قرض پر جو بھی نفع لے گا وہ سود اور حرام ہوا۔ حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ بلکہ سو روپے کا نوٹ اس نفع کے لئے جس پر دونوں باہم رضا مند ہوں مدت مقررہ تک اس کے ہاتھ فروخت کریں، مثلاً وہ سو کا نوٹ ایک سال کے لئے ایک سو دس روپے کے بدلے فروخت کریں تو اس طرح یہ نفع بیع کا نفع ہوگا اور بیع کا نفع حلال ہے جب کہ قرض کا نفع حرام۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہا ان لوگوں نے کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اس طریقے سے حلال نفع بھی ہاتھ آئے گا اور وہ قرض دینے والا بھی اپنے مقصد کو حاصل کرلے گا۔(۱)

❀❀❀

ہرجانے کا حکم

مسئلہ ۲۹۸: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ، مسئولہ عبد الکریم صاحب ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

زید نے پانچ سو روپے بکر کے پاس اس غرض سے جمع کیے کہ بذریعہ ہنڈی کے سالم کے نام بمبئی پہنچ جائے اور بکر نے ہنڈی کو سالم کے پاس بمبئی روانہ بھی کر دیا اور سالم کو مل بھی گیا اور سالم اس ہنڈی کو خالد ساہوکار کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس ہنڈی کے روپے دیجیے، خالد ساہوکار نے روپے دینے سے انکار کیا، لہٰذا سالم نے ہنڈی مذکور کو واپس کیا اور واپس آنے میں پندرہ یوم کی دیر بھی ہوئی، اور ساہوکاروں کا قاعدہ ہے کہ جتنے روز میں ہنڈی واپس آتی ہے اتنے روز کا ہرجانہ جمع کنندہ کو دیا جاتا ہے تو آیا اس ہرجانہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو زید کو بہت نقصان پہنچے گا کیوں کہ کافر تاجر مسلمان تاجر سے اپنے مذہب کے موافق ہرجانہ ضرور لے گا اور مسلمان اس سے باز رہے گا۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان تجارت کو چھوڑ دیں، تجارت تو کتاب وسنت سے ثابت ہے، علاوہ اس کے تمام علماء و دانش مند اہل اسلام اس وقت مسلمانوں کو تجارت کرنے پر زور دے رہے ہیں تو اگر یہ ہرجانہ مذکور ناجائز ہی رکھا جائے گا تو مسلمانوں کو دو طرفہ نقصان ہوگا۔ ایک تو دینے کی وجہ سے اور دوسرے نہ لینے کی وجہ سے فقط۔

۱۔ فتاویٰ رضویہ ج ۱۷ ص ۳۸۷، مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات

الجواب: ہنڈی سرے سے خود ہی ناجائز ہے، متون میں: السفنجة حرام (ہنڈی حرام ہے۔) حدیث میں ہے: کل قرض جر منفعة فهو ربا (جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے۔) پھر اس پر جرمانہ دوسرا ناجائز ہے، مگر یہ عمل اگر محض کفار سے ہے، کہ اس دکان میں اصالۃً یا بالواسطہ کسی مسلمان کی شرکت نہیں، تو یہ نیت اس عقد فاسد کے بلکہ اسی نیت سے لیتے ہیں اور غیر مسلم کا بلا غدر ملتا ہے لینے میں حرج نہیں (۱)

❀❀❀

۱۔ فتاوی رضویہ ج ۱۷ ص ۱۵۷، مرکز اہل سنت برکات رضا پوربندر گجرات

مبلغ اسلام ریسرچ سینٹر ممبئی انڈیا

Muballigh-E-Islam Reserch Center
Mumbai- India